جاری کردہ
سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ماہنامہ ترجمان القرآن

۱۹۹۳

مدیر: خرّم مراد

ادارۂ ترجمان القرآن

ماہنامہ
ترجمان القرآن

مدیر: خرم مراد

جلد ۲۰ | اگست ۱۹۹۴ صفر ۱۴۱۵ | عدد ۸

فہرست مضامین

برائے ادارتی امور

منصورہ' ملتان روڈ' لاہور ۵۴۵۷۰' فون نمبر ۸-۷۵۷۰۱۲۴ فیکس (۰۴۲) ۷۵۷۴۷۱۹

برائے انتظامی امور

رحمٰن مارکیٹ' اردو بازار' لاہور ۵۴۰۰۰' فون نمبر ۷۲۳۴۰۱۴-۷۲۳۶۶۶۵' پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ ترجمان القرآن لاہور کے پتہ پر ارسال فرمائیں۔ کراس چیک قبول نہیں کیے جائیں گے۔

قیمت فی شمارہ -/۱۰ روپے ○ زر سالانہ: ۱۰۰ روپے (اندرون ملک)

عرب ممالک' خلیجی امارات و برصغیر: ۵۰۰ روپے' یورپ: ۶۰۰ روپے' امریکہ و آسٹریلیا: ۷۰۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ملک عید محمد پرنٹرز' لاہور سے چھپوا کر دفتر' ترجمان القرآن' اچھرہ' لاہور سے شائع کیا۔

اِدارۂ ترجمانُ القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ اچھرہ لاہور (پاکستان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

خرم مراد

پاکستان کو بنے ابھی مشکل سے دو ماہ ہوئے تھے' کہ پہلے گورنر جنرل کے خصوصی ایلچی' میر لائق علی ۲ ارب ڈالر کے قرض کے لیے کاسۂ گدائی لے کر واشنگٹن پہنچ گئے۔ ان کے ہاتھوں میں جو "حکومت پاکستان کا میمورنڈم بنام اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ" تھا' وہ پڑھنے کے لائق چیز ہے۔ اور اگر دو آنسو اب بھی آنکھوں میں باقی رہ گئے ہوں' تو وہ بہانے کا مستحق بھی۔

پاکستان نے امریکا کے سامنے ہاتھ کیوں پھیلایا؟ میمورنڈم میں کہا گیا تھا کہ :

> سب سے پہلے دفاع کے لیے' اور پھر معاشی ترقی کے لیے--- کہ ان ہی دونوں پر اس کی بقا کا انحصار ہے--- پاکستان اگر کسی کی طرف دیکھ سکتا ہے تو پہلے امریکا' اور پھر برطانیہ کی طرف۔ (اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کا اندرونی خط نمبر ۲۷۴۷ - ۱۰ / ۸۴۵ F ۵۱' مورخہ ۸ اکتوبر ۱۹۴۷' بحوالہ دستاویزات اے' ص ۵)

امریکا اتنی خطیر رقم کیوں دے؟ میمورنڈم میں پہلے پاکستان کے اسٹریٹیجک محلِ وقوع اور روس سے اس کے پڑوس کا ذکر کیا گیا' پھر روس کا خطرہ یاد دلایا گیا' پھر پاکستان کے بغیر برصغیر کا دفاع ناممکن ہونے کا حوالہ دے کر' امریکا کو یقین دہانی کرائی گئی کہ ایک دفعہ پاکستان دفاعی اور اقتصادی لحاظ سے مضبوط ہو جائے پھر "اگر کوئی وقت پڑا" تو (آپ دیکھ لیں گے) پاکستان کے باشندے آپ کا کیسا بھرپور ساتھ دیں گے"۔ (ایضاً' ص ۶)

آخر میں دستِ سوال یوں دراز کیا گیا: "اس مقصد کے لیے بس ضرورت ہے تو صرف مالیات کی' بلکہ دراصل مالیات کے مستقل سرچشمہ کی" (ایضاً' ص ۷)۔ شرم کی بات یہ ہے کہ فوجیوں کی تنخواہیں تک مانگنے میں بھی کوئی عار محسوس نہیں کیا گیا۔ (فارن ریلیشنز ۲-' بحوالہ ایضاً' ص ۷)

یوں پاکستان کے حکمرانوں نے اس کے پیدا ہوتے ہی بلا جھجک اس کا مقدر مغرب اور امریکا کے

ساتھ باندھ دیا۔ گویا اپنی آزادی و سلامتی کے تحفظ اور معاشی ترقی کی موہوم توقعات کے عوض میں' جو بالآخر ایک سراب ثابت ہوئیں' پاکستان نے اپنی اسٹریٹیجک آزادی سے دست بردار ہونے اور ایشیا میں روس کے خلاف امریکا کا مہرہ بننے کی پیش کش کر دی۔ اس آزادی سے دست بردار ہونے کی' جو مسلمانانِ برصغیر نے خاک و خون کے سمندر سے گزر کر انگریز اور ہندو سے حاصل کی تھی۔

پاکستان کے گورنر جنرل کی اس درخواست کو اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے افسران نے بلاتوقف مسترد کر دیا' اور میر لائق علی خالی ہاتھ واپس لوٹ آئے (دستاویزات' ص ۷)۔ لیکن یہ میمورنڈم ایک سوچ اور فکر کا حامل تھا' اور اس کے ذریعہ پاکستان کے مستقبل کی مستقل حکمتِ عملی کی داغ بیل ڈالی گئی تھی۔ چنانچہ وزیر اعظم لیاقت علی خاں' گورنر جنرل غلام محمد اور سب سے بڑھ کر کمانڈر ان چیف جنرل ایوب خاں مایوس نہ ہوئے' اور انھوں نے واشنگٹن کا دامن جو ایک دفعہ پکڑ لیا تھا' چھوڑنے سے انکار کر دیا۔ وہ مکمل اخلاص اور حنیفیت کے ساتھ امریکا کے پیچھے پڑے رہے کہ وہ اسلحہ اور دیگر دفاعی اور اقتصادی امداد کے عوض میں روس کے گرد حصار باندھنے کے لیے پاکستان کی خدمات قبول کر لے' اور اسے کسی نہ کسی دفاعی معاہدہ کے "عقد" میں لے لے۔

اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ کمزور ہو یا طاقت ور' دنیا کی ہر قوم حلیفوں کی محتاج ہوتی ہے۔ اور پاکستان تو انگریز اور ہندو کے ہاتھوں بنا ہی ایسی کس مپرسی کے عالم میں تھا کہ اسے شاید کسی بڑے ملک کی مدد حاصل کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ خزانہ خالی تھا' مرکزی ملازمین کے لیے فرنیچر تک مفقود تھا' اسلحہ اور اسلحہ ساز فیکٹریاں سب بھارت کے پاس رہ گئے تھے' ملک میں کوئی صنعتی ڈھانچا نہ تھا۔ یہ کہنا بھی غلط نہیں ہو گا کہ پاکستان جیسے نوزائیدہ اور کمزور ملک اور امریکا جیسی عالمی طاقت کے درمیان برابر کے لین دین کی بنیاد پر کوئی معاہدہ دشوار تھا۔

ہمیں اپنے ابتدائی لیڈروں کی نیت اور اخلاص کے بارہ میں کوئی شک نہیں۔ لیکن یہ بات کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جس خود فریبی' ناعاقبت اندیشی' ملک و ملت کے مفادات سے لاپروائی' اور بے مثال والہانہ اور فدویانہ خود سپردگی کے ساتھ پاکستان کو امریکا کے ساتھ فوجی معاہدوں میں باندھنے اور اقتصادی امداد کی بھیک حاصل کرنے کی حکمتِ عملی اختیار کی گئی' اس کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ پاکستان ایسا تہی دامن بھی نہ تھا کہ موہوم فائدوں کی خاطر اتنی خطیر قیمت ادا کرتا' امریکا کے بھی اپنے اسٹریٹیجک مفادات کے تقاضے تھے جنھیں وہ نظرانداز نہ کر سکتا تھا۔

بہرحال بالآخر پاکستانی لیڈروں کی کوششیں رنگ لائیں۔ ان کی کاوشوں کی وجہ سے نہیں' امریکا کی اپنی اسٹریٹیجک مجبوریوں کی وجہ سے۔ روس سے "سرد جنگ" شروع ہو چکی تھی' اور امریکا بھی

اب حلیفوں کا محتاج تھا۔ پھر بھی اگر اسے اپنا مطلوب حلیف بھارت ہاتھ آجاتا' تو وہ غالباً پاکستان سے ہرگز کوئی دفاعی معاہدہ نہ کرتا۔

ایسا ہو جاتا تو کیا زیادہ اچھا نہ ہوتا؟ اس کا جواب اب تاریخ نہیں دے سکتی۔ خیال آتا ہے کہ پھر شاید ہمیں اتنی آزادی نصیب رہتی کہ ہمارا پہلا وزیر اعظم روس کا دورہ کر سکتا' چین کی کمیونسٹ حکومت کو ہم بروقت تسلیم کر سکتے' پچاس کے عشرہ ہی میں مسلمان ممالک کو ناراض کرنے کے بجائے ان سے مستحکم تعلقات استوار کر لیتے' سویز کے مسئلہ پر برطانیہ کی حمایت کرنے پر مجبور نہ ہوتے' ۱۹۶۲ میں کشمیریوں کو حقِ خودارادیت دلانے کے لیے نتیجہ خیز اقدام کر سکتے۔ پھر شاید ہم اتنے بے دست و پا بھی نہ ہوتے کہ فرانس سے ایٹمی پلانٹ نہ خرید سکیں' کہوٹہ میں اپنا ایٹمی پروگرام منجمد کرنے پر مجبور ہو جائیں' کشمیری مجاہدین بھائیوں کی امداد سے دست کش ہونا پڑے' نقد قیمت ادا کر دینے کے باوجود ہمارے ایف ۱۶ طیارے امریکا میں کھڑے رہیں اور ہم کچھ نہ کر سکیں' حتیٰ کہ ہم اپنے قانون کے تحت توہینِ رسالت کے ملزموں پر مقدمہ بھی نہ چلا سکیں۔ پھر شاید ہم دو ٹکڑے نہ ہوتے' سیاسی عدم استحکام کا شکار بھی نہ ہوتے' معاشی طور پر خود کفیل بھی ہو سکتے' کم سے کم اپنا بجٹ بنانے کا اختیار ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف کے بجائے ہمارے ہی پاس رہتا۔ اور شاید —— پھر ہم اپنے دین اور ثقافت کی راہ پر بھی گامزن ہو سکتے۔ لیکن تاریخ کے دھارے میں بہتے ہوئے' ماضی کے بارہ میں سنہرے خواب دیکھنے کا کیا حاصل!

اکتوبر ۱۹۴۹ میں میر لائق علی تو خالی ہاتھ واپس آئے' لیکن جلد امریکا کی سوچ اور رویے تبدیل ہونا شروع ہو گئے۔ ۹ فروری ۱۹۵۰ کو اس نے پاکستان کے ساتھ پوائنٹ فور (Point Four) پروگرام کے تحت ٹیکنیکل تعاون کا معاہدہ' اور پھر ۱۵ دسمبر ۱۹۵۰ کو باہمی امداد کا غیر رسمی معاہدہ کر لیا۔ پھر اکتوبر اور نومبر ۱۹۵۳ میں جنرل ایوب کی واشنگٹن یاترا کے بعد ۱۹ مئی ۱۹۵۴ کو' پاکستان کی فوجی امداد کی درخواست قبول کر کے' امریکا نے "امریکا ـ پاکستان باہمی دفاعی معاہدہ" پر دستخط کر دیے۔ ایک سال بعد ستمبر ۱۹۵۴ میں' فوجی امداد کی "قیمت" کے طور پر پاکستان نے امریکا کی خواہش پر منیلا پیکٹ پر دستخط کر کے اس کی بنائی ہوئی جنوب مشرقی ایشیا کے لیے دفاعی تنظیم ' سیٹو (Seato) میں شرکت اختیار کر لی۔ اور پھر مزید فوجی امداد کے وعدہ پر ایک سال بعد' اکتوبر ۱۹۵۵ میں وہ مشرقِ وسطیٰ کے لیے امریکی دفاعی تنظیم "بغداد پیکٹ" میں بھی شریک ہو گیا (اگرچہ اس میں امریکا خود باقاعدہ شریک نہ ہوا' اسرائیل کی خاطر)۔ یہ وہ وقت تھا جب پاکستان کو "روس کے خلاف شمالی محاصرہ کا مشرقی بازو' ایشیا میں امریکی دفاعی

نظام کا محور' اور امریکا کے "یاروں میں سب سے گہرا یار (most allied ally)" قرار دے کر سراہا جا رہا تھا" (ورسنگ ۳۰ء' ص ۶)۔ مسٹر بھٹو نے ' ۲۷ نومبر ۱۹۶۲ کو' نیشنل اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے بجا طور پر اس لمحہ کو ایسا لمحہ قرار دیا "جب ہماری تاریخ ایک فیصلہ کن موڑ مڑ گئی تھی"۔ (دستاویزات' ج ۱' ص ۲۱۹)

لیکن مختصر سے ہنی مون (۱۹۵۴ - ۱۹۶۲) کے بعد' جب ۱۹۶۲ میں صدر کینیڈی نے آناً فاناً پاکستان کے اصل دشمن بھارت کو ۶ ڈویژن فوج کے لیے ساز و سامان اور ۱۵ سکواڈرن جہاز فراہم کر دیے' ان بظاہر گہرے تعلقات پر تاریکی کے سائے پڑنا شروع ہو گئے۔ پھر تاریکی کے یہ سائے گہرے ہی ہوتے چلے گئے۔ اگرچہ بیچ میں افغان جہاد کی وجہ سے کچھ عرصہ کے لیے دیا ٹمٹمایا اور ان تعلقات نے سنبھالا لیا' لیکن بگاڑ بڑھتا ہی گیا۔ اسلحہ کی فراہمی پر بار بار پابندی لگائی گئی' اور اب عرصہ سے مکمل بند ہے' بلکہ اب تو ہر طرح کی امداد بند ہے۔ امداد قرضوں میں بدلی' قرضے نقد فروخت میں' اور نقد فروخت' قیمت لینے کے بعد بھی مال دینے سے انکار میں۔ پاکستان کا دفاع تو کجا' اسے دو ٹکڑے کرنے کی بھارتی کارروائی کو امریکا کی حمایت حاصل رہی۔ ایٹم بم تو دور کی بات ہے' فرانس سے ایٹمی پلانٹ کے حصول پر پاکستان کو عبرت ناک مثال بنانے کی کارروائی شروع کی گئی۔ کشمیر پر کوئی موثر حمایت تو کیا ملتی' الٹا پاکستان کے سر پر "دہشت گرد" قرار دیے جانے کی تلوار لٹکا دی گئی۔

تعلقات میں بگاڑ کے طویل دور کے بعد' آج کل پھر اسلام آباد اور واشنگٹن کے درمیان آمدورفت اور بات چیت زور شور سے جاری ہے۔ جناب نواز شریف نے اپنے خصوصی ایلچی کے طور پر چودھری نثار علی کو مطلوبہ یقین دہانیاں کرانے واشنگٹن بھیجا' تو صدر پاکستان جناب فاروق لغاری نے "نجی دورہ" میں بھی بہ نفسِ نفیس امریکی نائب صدر کے پاس حاضر ہو کر ان سے مذاکرات کیے۔ انھوں نے امریکا کا دل موہنے کے لیے عابدہ حسین کو سفیر بنا کر بھیجا' تو انھوں نے ڈاکٹر ملیحہ لودھی کو منتخب کیا۔ واشنگٹن میں پاکستانی افسران خاموش ڈپلومیسی کا راؤنڈ چلا رہے ہیں' تو رابرٹ اوکلے' جو ایک زمانہ میں پاکستان میں امریکن وائسرائے کہلاتے تھے' ایک بھاری بھرکم وفد لیے اسلام آباد میں مصروفِ گردش ہیں۔

یہ سب کچھ حسب سابق تاریکی کے دبیز پردوں کے پیچھے ہو رہا ہے۔ ہمارے ملک میں اہم قومی معاملات میں قوم کو باخبر رکھنے کی روایت کبھی بھی نہیں رہی۔ عوام کالانعام اس قابل کہاں! چنانچہ آج بھی قوم کو کچھ پتا نہیں کہ ان تاریک پردوں کے پیچھے زندگی اور موت کے کیا فیصلے ہو رہے ہیں' یہ

تاریکیاں، مغالطہ آمیزیوں، غلط بیانیوں اور طفل تسلیوں سے اور گہری ہی ہوتی جا رہی ہیں، لیکن ماضی کا آئینہ ہمارے پاس ہے۔ اس آئینہ ہی میں مستقبل کی جھلک نظر آسکتی ہے۔ اس آئینہ پر نظرڈالنا ہی آج ہمارے پیش نظر ہے۔

مذاکرات پہلے بھی ہوئے ہیں اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے، معاہدات بھی ہوئے ہیں اور ہوتے رہیں گے، لیکن اس بیل کا اس طرح منڈھے چڑھنا کہ پاکستان کے اہداف کسی درجہ میں بھی حاصل ہوں، ممکن نظر نہیں آتا۔ کیونکہ پاکستان اور امریکا کے اہداف و مقاصد کے درمیان روزِ اوّل ہی سے بنیادی تضاد اور تفاوت رہا ہے۔ امریکا ایک بہت طاقت ور ملک ہے، اور طاقت ور اپنے مفادات حاصل کرنے میں زیادہ کامیاب رہتا ہے۔ امریکا نے اس معاملہ میں کبھی پاکستان کو دھوکے میں نہیں رکھا کہ وہ یہ معاہدات کیوں کر رہا ہے، مگر پاکستانی حکمرانوں نے ہمیشہ خود فریبی کو ترجیح دی، قوم کو ناواقف اور غلط فہمیوں میں مبتلا رکھا، اور حقیقت کو تسلیم کرنے سے گریز کیا۔

ہمیں یقین ہے کہ آج صورتِ حال اس وقت سے بدتر ہے۔ کل کے حکمرانوں کے مقابلہ میں، وہ جیسے کچھ بھی تھے، آج کے حکمراں بونے ہیں اور مسائل دیو قامت ہو گئے ہیں۔ روس کے زوال سے پاکستان نے جس ایک کارڈ سے اپنا کھیل کھیلا تھا، وہ اس کے ہاتھ سے نکل گیا۔ گویا پاک امریکا تعلقات کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی ہے۔ حکمراں خود تو شاید کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں، لیکن انھیں قوم کو خوش فہمیوں میں مبتلا رکھنے سے یقیناً کوئی دریغ نہیں۔ اس سے بڑی ستم ظریفی کیا ہو سکتی ہے کہ ایٹمی صلاحیت اور کشمیر جیسے اہم قومی معاملات پر اپنی پالیسی کے بارہ میں امریکا تو کچھ نہیں بول رہا، مگر ہمارے اعلیٰ ترین عہدیدار زور شور سے اس کی ترجمانی اور وکالت میں مشغول ہیں۔

امریکا کی سوچ اور رویوں میں تبدیلی کیوں رونما ہوئی؟

کہاں تو ۱۹۴۷ء کہ پاکستان کے پہلے گورنر جنرل کی درخواست اس لائق بھی نہ سمجھی گئی کہ اوپر بھیجی جائے، اور اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے نیچے کے چار افسران نے اسے ازخود ہی مسترد کر دیا (دستاویزات، ص ۶)، اور کہاں ۱۹۵۵ء کہ پاکستان کو امریکا نے اپنا یارِ غار بنالیا۔ اس کے کیا مفادات تھے کہ وہ پاکستان کو اسلحہ دینے پر تیار ہو گیا، اور اسے اپنے ساتھ دفاعی معاہدوں میں باندھ لیا؟

یہ تبدیلی تیزی سے بدلتی ہوئی عالمی سیاست اور روس اور کیمونزم کے خطرہ کی وجہ سے رونما ہوئی۔ دوسری جنگِ عظیم میں امریکا اور روس کے درمیان جو مجبوری کے حلیفانہ تعلقات قائم ہو گئے تھے، وہ جلد ہی ٹوٹنا پھوٹنا شروع ہو گئے، اور دونوں کے درمیان سرد جنگ کا آغاز ہو گیا۔ جولائی ۱۹۴۷ء

کے فارن افیئرز' میں جارج ایف کینان نے مشہور زمانہ مضمون "سوویت طرزِ عمل کے سرچشمے" میں روسی خطرہ کی نشان دہی کرتے ہوئے' اس کے مقابلہ کے لیے اس کو "محدود رکھنے" کی حکمتِ عملی پیش کی۔ (یہ بات دلچسپ ہے کہ فارن افیئرز' ہی میں "اسلامی خطرہ" کے خلاف ہنٹنگٹن کے حالیہ مضمون "تہذیبوں کا تصادم" اسی مضمون کا ہم پلہ قرار دیا جا رہا ہے)۔ امریکی تعبیرِ تاریخ کے مطابق' ایران' یونان' اور ترکی میں روسی مداخلت' فروری ۱۹۴۸ میں چیکوسلواکیہ میں کمیونسٹ انقلاب' ۱۹۴۸-۴۹ میں برلن کی ناکہ بندی' یکم اکتوبر کو چین میں کمیونسٹ حکومت کے قیام' اور پھر ۲۵ جون ۱۹۵۰ کو کورین جنگ کے آغاز نے سرد جنگ کو عروج پر پہنچا دیا۔ چنانچہ امریکا نے سرگرمی کے ساتھ روس کو محدود رکھنے کی حکمتِ عملی کو عملی جامہ پہنانا شروع کر دیا۔ اس حکمتِ عملی کے لیے اسے:

۱۔ ایسے اڈے درکار تھے' جہاں سے روس اور چین پر نگاہ رکھی جا سکے' اور وقت آنے پر ان کے خلاف جنگی کارروائیاں بھی کی جا سکیں۔

۲۔ امریکا سے باہر ایسے میدانِ جنگ درکار تھے' جہاں ان کے خلاف جنگ لڑی جا سکے۔ (یاد رہے کہ آج تک کوئی "امریکن جنگ" امریکا کی سرزمین پر نہیں لڑی گئی ہے)۔

۳۔ ایسی فوجیں درکار تھیں' جو اپنے اپنے مقام پر امریکا کی جنگ لڑ سکیں' اور امریکا کو' کوریا کی طرح اپنی فوجیں موت کے منہ میں نہ بھیجنا پڑیں۔

۴۔ ایسے حلیف ممالک درکار تھے جو روس اور چین کے گرد حصار بنا لیں اور درج بالا ضروریات پوری کریں' تاکہ روس محدود ہو کر رہ جائے اور مزید پیش قدمی نہ کر سکے۔

پاکستان امریکا کی یہ ساری اسٹریٹیجک ضرویات بدرجۂ اتم پوری کرتا تھا۔ روس اور چین کی سرحد پر اس کا محلِ وقوع انتہائی موزوں تھا' اڈوں کے لیے بھی' میدانِ جنگ کے لیے بھی۔ اس کے فوجی اچھی نسل کے لڑنے والے شمار ہوتے تھے' اس کے حکمراں مغرب کے کاسہ لیس تھے۔ چنانچہ پہلے گورنر جنرل کی درخواست مسترد کر دینے کے چند ماہ بعد ہی امریکا کے اعلیٰ ترین حلقوں کی نگاہیں پاکستان پر پڑنا شروع ہو گئیں۔

بیچ میں مشکل حائل تھی صرف پاکستان کے اصل حریف بھارت کی۔ وہ ہر لحاظ سے امریکا کے لیے زیادہ پرکشش اور سود مند متبادل تھا۔ امریکا اسے' اس کی (امریکی وزیر خارجہ جان فاسٹر ڈلس کے الفاظ میں) "غیر اخلاقی (immoral)" غیر جانبداری کے باوجود نہ صرف بے انتہا چاہتا تھا' بلکہ کسی قیمت پر ناراض کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ یہ تو پاکستان کی "قسمت" تھی کہ' وہ امریکا کی ساری ضروریات سے لیس' صحیح محل وقوع پر' صحیح وقت پر' دوستی کا ہاتھ پھیلائے ہوئے کھڑا تھا۔ امریکا کو اس کا اصل محبوب

(بھارت) ہاتھ نہ آرہا تھا' اس کے اسٹریٹیجک مفادات کا دباؤ برابر بڑھ رہا تھا' چنانچہ وہ پاکستان کا ہاتھ تھامنے پر مجبور ہو گیا۔

امریکا کو پاکستان کے کسی اسٹریٹیجک مفاد سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ خصوصاً بھارت کے معاملہ میں اس کا مفاد پاکستان کے مفاد سے متصادم تھا۔ چنانچہ وہ صرف پاکستان کے فوجی اڈوں' جنگی میدانوں' فوجی جوانوں' منڈیوں اور مغرب سے اس کی وابستگی کے بارہ میں سوچ رہا تھا۔

سب سے پہلے ۲ اگست ۱۹۴۸ کو جوائنٹ چیفس آف اسٹاف (J C S) نے اپنے ایک میمورنڈم میں "کراچی سے مشترکہ فوجی کارروائیاں کرنے کے حقوق حاصل کرنے" کی ضرورت پر زور دیا (فارن ریلیشنز' ۱۹۴۸' بحوالہ دستاویزات' ص ۱۱)۔ ۲۴ مارچ ۱۹۴۹ کے ایک دوسرے میمورنڈم میں انھوں نے پھر کہا: روس سے متصل جنوبی ایشیا کے ممالک کے ذریعہ' روس کے اندر نظریاتی اور جاسوسی کارروائیوں کے روشن امکانات ہیں۔ ... پاکستان کا کراچی - لاہور علاقہ اسٹریٹیجک اہمیت اختیار کر سکتا ہے۔ یہاں سے وسطِ روس پر ہوائی حملے کیے جا سکتے ہیں' اور مشرقِ وسطیٰ کے تیل کے علاقوں کے دفاع یا ان کو دوبارہ فتح کرنے کے لیے فوجیں روانہ کی جا سکتی ہیں۔ (فارن ریلیشنز' ۱۹۴۹' بحوالہ دستاویزات' ص ۱۵)

بالآخر صدر ٹرومین نے دسمبر ۱۹۵۱ میں پاکستان کی اہمیت تسلیم کرتے ہوئے اعلان کیا کہ: "بحرِ ہند پر اپنے محلِ وقوع اور وسطِ ایشیا کے زمینی راستوں پر کنٹرول کی وجہ سے جنوبی ایشیا میں پاکستان ہمارا ایک قیمتی حلیف ہے"۔ (دستاویزات' ص ۴۷)

امریکا صرف اڈے ہی نہیں چاہتا تھا' بلکہ اس سے زیادہ اسے فوجیں مطلوب تھیں جو اس کی جنگ لڑ سکیں۔ اور منڈیاں بھی۔ نیشنل سکیورٹی کونسل کی ایک اسٹاف اسٹڈی میں' جسے ۲۵ جنوری ۱۹۵۱ کو صدر ٹرومین نے منظور کیا' امریکن اہداف متعین کرتے ہوئے کہا گیا: "ایک طرف امریکا اور اس کے دوست ممالک کو اس علاقہ کے وسائل اور منڈیاں دستیاب ہونا چاہئیں' دوسری طرف ایسے حالات پیدا کیے جائیں کہ ... یہ اپنے وسائل روسی بلاک کو فراہم کرنے سے انکار کر دیں ... پاکستان میں کراچی' راولپنڈی اور لاہور جیسے مقامات پر ہوائی اڈے' ایشیا یا شرقِ قریب میں کسی بھی ملک کے اڈوں کے مقابلے میں' روس کے بیش تر علاقوں سے (بشمول صنعتی علاقوں کے) زیادہ قریب ہوں گے" (دستاویزات' ص ۴۵)۔ امریکا اور برطانیہ کے اعلیٰ عہدیداران بھی آپس میں انھی خطوط پر خفیہ منصوبہ بندی کر رہے تھے (دستاویزات' ص ۴۷' ۵۰)۔ اس سے پہلے سیلون میں' ۲ مارچ ۱۹۵۱ کو امریکا کے سفارتی افسران متفقہ طور پر یہ سفارش کر چکے تھے کہ: "امریکا جلد از جلد پاکستان سے سمجھوتہ کر

کے پاکستانی فوجوں کو مسلح اور مضبوط بنائے' تاکہ [کسی] جنگ کے آغاز ہی میں مغربی بازو پر پاکستانی فوجوں کا دستیاب ہونا یقینی ہو۔ (دستاویزات' ص ۴۴)

پاکستان کے بارہ میں امریکا کے اندازے اور بدلتی ہوئی سوچ' اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے بالکل آغاز ہی کے ۳ اپریل ۱۹۵۰ اور یکم جولائی ۱۹۵۱ کے پالیسی بیانات میں صاف دیکھی جا سکتی ہے۔

۱۔ "پاکستان سے تعلقات میں ہمارا اصل مقصد یہ ہے کہ اس کی حکومت اور لوگوں کا رخ امریکا اور دیگر مغربی جمہوریتوں کی طرف رہے"۔ (فارن ریلشنز' ۱۹۴۹' بحوالہ دستاویزات' ص ۲۷)

۲۔ "پاکستان سیاسی طور پر آزاد ضرور ہے' لیکن وہ دفاع اور معاشی ترقی کے لیے بیرونی امداد کا محتاج ہے"۔ (ایضاً)

۳۔ "پاکستان میں ہمارا اطلاعاتی پروگرام... مغرب دوست رائے عامہ پروان چڑھانے کے لیے وضع کیا گیا ہے"۔ (ایضاً)

۴۔ "ہمارا ایک اہم ہدف یہ ہے کہ: "پاکستان میں ایسا رویہ پروان چڑھائیں کہ وہ امریکا اور اس کے اتحادیوں کو وہ تمام سہولتیں' وسائل و ذرائع اور منڈیاں فراہم کرے جو انھیں حالتِ امن میں مطلوب ہوں یا حالتِ جنگ میں درکار"۔ (فارن ریلشنز' ۱۹۵۱' بحوالہ دستاویزات' ص ۵۵)

۵۔ "پاکستان کے پاس وہ فوجی افرادی قوت ہے جو روسی جارحیت کا راستہ روکنے میں شرقِ قریب کے ممالک کی مدد کر سکتی ہے'... پاکستان ایران کی مدد کے لیے بھی فوجیں بھیج سکتا ہے"۔ (ایضاً' ۵۶' ۵۷)

امریکا نے اپنے اہداف کے حصول میں پاکستان کی اہمیت تسلیم کی' تو فوجی اور اقتصادی امداد دینے کے بارہ میں بھی سوچنا شروع کر دیا۔ پہلے گورنر جنرل کی درخواست کے مسترد کرنے کے تقریباً دو ہی سال بعد' ۱۶ اگست ۱۹۴۹ کو اسسٹنٹ سیکرٹری آف اسٹیٹ مکگھی (Mcghee) نے بیرونی فوجی امداد کے کوآرڈی نیٹر کو لکھا: "پالیسی کے بارہ میں ہمارے تمام مطالعات سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ جنوبی ایشیا کے ممالک میں اپنے قومی سیاسی اہداف کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ہم ان کی فوجی امداد کی درخواستوں پر ہمدردی کے ساتھ غور کریں"۔ (دستاویزات' ص ۴۲)

آئزن ہاور کے صدر بن جانے کے بعد' وزیر خارجہ ڈلس روس کے گرد حصار باندھنے کے لیے سرگرم ہو گئے۔ شمالی حصار (Northern Tier) پاکستان کے بغیر ممکن نہ ہوتا تھا۔ ڈلس نے ترکی اور پاکستان کے دورہ سے واپس آنے کے بعد سینیٹ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا: "ترکی... ہمارا ایک مضبوط مورچہ ہے۔ وہاں لوگ لڑنے کے لیے بالکل تیار ہیں' قوی ہیں' بہادر ہیں اور روح و جذبہ

میں ہمارے حلیف ہیں ... دوسرے سرے پر پاکستان ہے جو بہت مضبوط مورچہ بن سکتا ہے ... ہمیں اسی شمالی حصار پر اعتماد کرنا چاہیے ... [یہاں ترکی' وہاں پاکستان] مشکل ہے کہ کوئی بھی ان کے درمیان پہاڑی دروں سے اندر گھس سکے ... مگر پاکستان کے معاملہ میں مشکل یہ ہے کہ ہمارے پاس اب تک اس کو فوجی امداد دینے کا کوئی پروگرام نہیں' ہم یہ مدد دینے کی ہمت اس لیے نہیں کر پا رہے کہ ہمیں بھارت کے ردِ عمل کا ڈر ہے"۔ (دستاویزات' ص ۷۸)

بالآخر امریکا نے اپنے اہداف کی خاطر ۱۹۵۴ کے باہمی دفاعی معاہدہ پر دستخط کر دیے۔ پاکستان کے لیے مطلوبہ فوجی اور اقتصادی امداد ملنے کا دروازہ کھل گیا' اور امریکا کو روس کے خلاف معاہدوں میں پاکستان بطور مہرہ حاصل ہو گیا۔

شروع ہی سے امریکا کا ایک ہدف اور تھا' جو اب زیادہ واضح ہو کر سامنے آرہا ہے۔ اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے جولائی ۱۹۵۱ کے پالیسی بیان میں کہا گیا تھا کہ :

> پاکستان میں ہمارے اہداف کے لیے ایک خطرہ اور ہے' جو کمیونزم کی طرح عیاں نہیں۔ یہ جاگیرداروں کے رجعت پسند گروہوں اور غیر تعلیم یافتہ مذہبی راہنماؤں (ملاؤں) کی طرف سے ہے' جو موجودہ مغرب پسند حکومت کی مخالفت کر رہے ہیں' اور اسلام کے دقیانوسی اصولوں کی طرف واپس لوٹنا چاہتے ہیں۔ ان کی قوت کا سرچشمہ عوام کے مذہبی جذبات اور جاہل لوگوں کی طرف سے تغیر و تبدل کی مخالفت ہے۔ اگر یہ غالب آگئے تو پاکستان ایک مذہبی ریاست بن جائے گا' جو واضح طور پر مغرب دشمن ہو گی۔ اس لیے ہمیں جمہوری [لادینی] دستور اور جدید تعلیم کے لیے موجودہ حکومت کی کوششوں کی مکمل حمایت کرنا چاہیے۔ (دستاویزات' ص ۶۴)

پاکستان وجود میں آتے ہی کیوں پاکستانی حکمرانوں نے اپنا مقدر امریکا کے ساتھ نتھی کرنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیے ؟

ان کے اہداف اسٹریٹیجک بھی تھے اور تہذیبی بھی۔ تہذیبی طور پر' یہ حکمران انگریزی تعلیم یافتہ تھے' انگریز کے یار وفادار رہے تھے' مغربی تہذیب میں رنگے ہوئے تھے' مغرب سے سخت مرعوب تھے' مغرب کے نقشِ قدم پر چلنے ہی کو فلاح و ترقی کی راہ سمجھتے تھے۔ پاکستان کے لیے ان کی نظروں میں ماڈل اتاترک تھا۔ اس کے لیے مغرب سے جڑنا ضروری تھا۔

مغرب کی معاشی ترقی ، بھی ان کی نگاہیں چکا چوند ہو رہی تھیں ۔ وہ اندھا دھند اس کے

پیچھے بھاگنا چاہتے تھے۔ اس وقت ساری نو آزاد دنیا کی ریت بھی یہی تھی۔ یہ مقصد حاصل ہونا مغرب کے سرمایہ' مغرب کے ماہرین' مغرب کی ٹیکنالوجی اور مغرب کی ثقافت امپورٹ کیے بغیر ممکن نہ تھا۔ اسی لیے انھوں نے امریکا کو لکھا تھا کہ معاشی ترقی پر ہماری بقا کا انحصار ہے' اور اس کے لیے ہمیں آپ ہی کی طرف دیکھنا ہو گا۔ (دستاویزات' ص ۵)

انگریز سے یاری' اس کی مکمل وفاداری' اس کی فوجوں کے لیے جوانوں کی فراہمی اور اس کے دربار میں کرسی ہی سے انھوں نے اپنی قسمت کو چمکتے دیکھا تھا۔ چنانچہ ان کے دیرینہ تجربہ اور نفسیات نے انھیں یہی سمجھایا کہ' اب جب کہ پاکستان کی صورت میں ایک بہت بڑی جاگیر ان کے ہاتھ آگئی ہے' اس کی قسمت چمکانے کا نسخہ بھی یہی ہے۔ اسی میں اس کی سلامتی' اور دفاع' اس کے قومی اہداف کے حصول' اور اس کی ترقی کا راز پوشیدہ ہے۔ چنانچہ وہ بلا جھجک امریکا کی سرپرستی حاصل کرنے اور اس کا یار و وفادار بننے کے لیے کوشاں ہو گئے۔

وہ جاگیردار تھے' دولت مند اور خوش حال تھے' اس لیے فطری طور پر وہ کمیونزم سے' بلکہ قائم و دائم نظام (Status quo) میں کسی بھی تبدیلی کے اندیشہ سے' یا کسی بھی غیر مغربی (non western) تہذیب کے غلبہ سے سخت خائف تھے۔ (ملحوظ رہے کہ روس ہمیشہ غیر مغربی' بلکہ مخالف مغرب صف میں شمار ہوتا رہا ہے' اور اسلام تو ہے ہی)۔ چنانچہ کمیونزم [اور اسلام ؟] کے خلاف مزاحمت میں وہ پوری طرح مخلص اور سنجیدہ تھے' اور اس معاملہ میں ان کا مفاد امریکا کے اسٹریٹجک مفاد سے پوری طرح ہم آہنگ تھا۔ امریکا نے پاکستان کے ساتھ جو کچھ اور جیسی کچھ بھی دوستی رکھی ہے' یا مدد دی ہے' اس کی بنیاد یہی روس دشمنی رہی ہے۔

لیکن پاکستان کے حکمران جانتے تھے کہ پاکستان کو اصل خطرہ کمیونزم سے نہیں' بھارت سے ہے۔ بھارت کے خلاف دفاع' اس سے اپنی سالمیت کا تحفظ' اور اس کے ساتھ تنازعات میں حمایت و مدد کا حصول' اس کی اولین اسٹریٹجک ضروریات تھیں۔ تقسیم ہوتے ہی بھارت نے مالیات اور اسلحہ میں پاکستان کا حصہ غصب کر کے' اور فوج کشی کے ذریعہ کشمیر پر ناجائز قبضہ کر کے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ پاکستان کو کمزور رکھنا اور اس کی شہ رگ پر قابض رہنا چاہتا ہے۔ پاکستان آغاز ہی سے اس کے ساتھ شدید عدم توازن کا شکار تھا۔ اس کے سپاہیوں کے پاس تو بندوقیں چلانے کے لیے کارتوس تک نہ تھے۔

یہ پاکستان کی بدقسمتی تھی کہ اس کی اسٹریٹجک حس محدود تھی' جب کہ اس کا دشمن بھارت امریکا کے لیے کہیں زیادہ پر کشش تھا' اور اس کے عالمی مفادات کے لیے ضروری بھی۔ اس نے مجبوراً

پاکستان کا ہاتھ تو تھاما' تب بھی وہ کسی قیمت پر بھارت کو ناراض کرنا نہیں چاہتا تھا' نہ کسی بھی معاملہ میں کسی بھی طرح اس کے مقابلہ میں پاکستان کی حمایت یا مدد۔ پاکستان کی دوسری بدقسمتی یہ تھی کہ اسے جتنی ضرورت امریکا کی تھی اتنی امریکا کو اس کی ضرورت نہ تھی' اور امریکا جتنا طاقت ور تھا وہ اتنا ہی کمزور تھا۔ اس لیے برابری کے کسی لین دین یا دباؤ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

امریکا نے کبھی اس بارہ میں پاکستان کو دھوکہ میں نہیں رکھا کہ جو اسلحہ وہ دے رہا ہے کمیونزم کے خلاف ہے بھارت کے خلاف نہیں' اس کے کسی معاہدہ کا اطلاق بھارت سے پاکستان کی کسی جنگ کی صورت میں نہیں ہوگا' بلکہ وہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ پاکستان کی بھارت سے جنگ ہو' اور بھارت کے ساتھ کسی بھی تنازعہ میں وہ مکمل غیر جانبدار رہے گا (اگرچہ دونوں کے درمیان عدم توازن کی وجہ سے یہ "غیر جانبداری" درحقیقت بھارت کی "جانبداری" ہی رہی ہے)۔

لیاقت علی خاں کے پہلے دورہ امریکا کے دوران' ۸ مئی ۱۹۵۰ کو' نیویارک ٹاؤن ہال میں ان کی تقریر کے جواب میں جارج کینان نے صاف صاف کہہ دیا تھا: "ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے دوست ہمارے مقام کی نزاکتوں کو سمجھیں' اور ہم سے وہ چیزیں کرنے کی توقع نہ رکھیں جو ہم نہیں کرسکتے۔ صرف باہمی تعلقات ہی میں نہیں' بلکہ عمومی طور پر ایک عالمی طاقت کے طور پر اپنی ذمہ داریاں ادا کرتے ہوئے بھی"۔ (دستاویزات' ص ۳۳)

جب پاکستان نے کسی تحفظ کے بغیر کورین جنگ میں امریکا کے موقف کی مکمل حمایت کی' تو وزیر خارجہ ڈین ایچی سن نے ۱۱ مئی ۱۹۵۱ کو کراچی میں امریکی سفیر کو تار دیا کہ وزارتِ خارجہ جاکر زور دیں کہ پاکستان اپنی فوج کوریا بھیجے' کہ "یہ پاکستان کے اپنے مفاد میں ہے" (دستاویزات' ص ۵۲ - ۵۳)۔ سفیر اب سیانا ہوچکا تھا' وہ سیدھا وزیراعظم کے پاس پہنچ گیا۔ لیاقت علی خاں نے ایک ڈویژن فوج بھیجنے کے لیے آمادگی ظاہر کی' لیکن صاف صاف اس کی قیمت بھی مانگ لی: "یہ فیصلہ کی گھڑی ہے۔ پاکستان کوریا میں ہی نہیں' مشرقِ وسطیٰ میں بھی امریکا کے ساتھ چلنے کو تیار ہے ... بشرطیکہ امریکا پاکستان کا ساتھ دے ... بالخصوص کشمیر میں ... اور پختونستان کے مسئلہ پر"۔ امریکی سفیر نے کشمیر پر ایک بیان کی سفارش بھی کی۔

لیکن ایچی سن نے اس پر اپنے ۲۴ مئی کے تار میں سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور کہا: "کشمیر اور افغانستان پر امریکا کی مکمل اور غیر مشروط حمایت کے بدلے لیاقت کی فوجی دستوں کی پیش کش ہم قبول نہیں کرسکتے ... پاکستان کو قائل کرنے کے لیے امریکا سے زیادہ کوریا میں پاکستانی ڈویژن کو اسلحہ اور خرچ دینے کی پیش کش کرسکتا ہے۔ (گویا خرچ بھی پاکستان کو اٹھانا تھا)۔ لیاقت کی تجویز اس لیے ناقابل

قبول ہے کہ امریکا کی طرف سے اس قسم کے مسائل پر پاکستان کی حمایت کا منطقی نتیجہ یہ ہو گا کہ (الف) بھارت اور افغانستان ہم سے بالکل کٹ جائیں گے' (ب) ایشیا میں آج کے اور کل کے مسائل پر امریکا کی آزادیِ عمل محدود ہو جائے گی ... جب کہ فوجی دستے فراہم کرنا تو اقوامِ متحدہ کے چارٹر کے تحت پاکستان کی ذمہ داری بنتی ہے"۔ (دستاویزات' ص ۵۵)

پتا نہیں کہ ابتدائی حکمرانوں کو بین الاقوامی سیاست کا صحیح ادراک نہیں تھا' وہ خود فریبی کا شکار تھے' یا جان بوجھ کر خود فریبی میں مبتلا رہنا چاہتے تھے۔ یا' کیونکہ قوم سے جھوٹ بولنے اور اس کو فریب دینے کی روایت بھی ہمارے ملک کی بڑی دیرینہ اور مستحکم روایت ہے' شاید وہ اسی میں مشغول ہوں۔ بہرحال یہ مفروضہ کہ امریکا کی ترجیحات کبھی بھی وہ ہو سکتی تھیں جو پاکستان کی ہیں' احمقانہ بھی تھا اور تباہ کن بھی۔ چنانچہ پاکستان نے اپنے اسٹریٹیجک مفاد کے لیے جتنا مکمل اعتماد اپنے حلیف پر کیا' وہ کبھی اس اعتماد پر پورا نہ اترا۔

پاکستانی حکمران امریکا سے صرف اسلحہ کے طالب نہ تھے' بلکہ وہ مسلسل بھارت کے خلاف اپنی سلامتی کے لیے اس کی ضمانت کے خواہش مند رہے ہیں۔ خصوصاً جب امریکا کی جنگ لڑنے کے لیے کرایہ کے سپاہی دینے کا سوال اٹھتا تو پاکستان ایسی ہی ضمانت کا مطالبہ کرتا۔ امریکا یہ قیمت دینے کے لیے بھی تیار نہیں ہوا' بلکہ اس نے کبھی یہ تسلیم ہی نہیں کیا کہ پاکستان کو اصل خطرہ بھارت سے ہے (طاہر خیلی ۴۰' ص ۴ - ۵)۔ شروع میں ایوب خان کے مطالبہ کے جواب میں' امریکا نے اس مشکل کا حل یہ نکالا کہ ۱۹ مئی ۱۹۵۴ کے دفاعی معاہدہ میں "خطرہ" کا تعین مبہم چھوڑ دیا' اور بھارت یا روس کا ذکر کرنے کے بجائے اقوامِ متحدہ کے چارٹر کے خوش نما الفاظ کا سہارا لیا۔

ایوب خاں نے ۱۹۵۸ میں مارشل لا لگانے کے بعد یہ مسئلہ پھر اٹھایا۔ ۵ مارچ ۱۹۵۹ کے باہمی تعاون کے معاہدہ میں بھی امریکا' پاکستان کی سلامتی کی ضمانت دینے پر آمادہ نہ ہوا' لیکن یہ کہنے پر رضامند ہو گیا کہ : "امریکا' پاکستان کی آزادی اور سالمیت کی بقا کو اپنے قومی مفاد اور عالمی امن کے لیے ضروری سمجھتا ہے" اور "پاکستان کے خلاف جارحیت کی صورت میں ... ایسے مناسب اقدامات کرے گا... جن پر فریقین باہم متفق ہوں" (دستاویزات' ص ۱۵۶ - ۱۵۷)۔ ان خوش نما الفاظ کی قیمت میں امریکا نے ایوب خاں سے پشاور میں جاسوسی کا اڈہ حاصل کر لیا۔ پاکستان میں انہی الفاظ کو ضمانت ہی سمجھا گیا' اور امریکا نے بھی اس کی تردید کرنا خلافِ مصلحت سمجھا۔

لیکن حقیقت جلد کھل کر سامنے آ گئی۔ ۱۹۶۲ میں صدر کینیڈی نے طیاروں کے ذریعہ بھارت کو

بھاری تعداد میں اسلحہ بھیجنے میں لمحہ برابر دیر نہ لگائی' اور صدر ایوب سے وعدہ کے باوجود پاکستان سے کوئی مشورہ نہ کیا۔ ۱۹۶۵ میں جب بھارت نے پاکستان پر حملہ کیا' تو مدد تو درکنار امریکا نے پاکستان کو ہر قسم کا اسلحہ دینے پر پابندی لگا دی' اور ۱۹۷۱ میں جب بھارت نے مشرقی پاکستان پر حملہ کر کے پاکستان کو دو ٹکڑے کر دیا' تو امریکا نے انگلی بھی نہ ہلائی۔ صاف بات ہے کہ امریکا کو پاکستان کی سالمیت سے کوئی دلچسپی نہ تھی' اور بنگلہ دیش بننے پر بھی اسے کوئی اعتراض نہ تھا۔ صدر نکسن نے بعد میں لکھا کہ: "ہم یہ تسلیم کرتے تھے کہ کسی سیاسی سمجھوتے کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان آزاد ہو گا۔ اور ہم اس مقصد کے لیے کام کرنے کو بھی تیار تھے" (دستاویزات' ج ۲' ص ۲۰۱)۔ کسنجر کی سربراہی میں واشنگٹن اسپیشل ایکشن گروپ کی روداوں میں یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ "پاکستان کی سلامتی کے لیے امریکا کی کوئی قانونی ذمہ داری نہیں" (دستاویزات' ج ۲' ص ۱۶۶' ۱۸۴)۔ ہاں' جب یہ خدشہ ہوا کہ ہندوستان آزاد کشمیر اور مغربی پاکستان پر بھی قبضہ کر لے گا' تو امریکا نے اسے' اپنے مفاد میں' روکنے کی کوشش کی۔

۱۹۸۰ میں جنرل ضیا نے' افغانستان پر روسی حملہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے' صدر کارٹر کی انتظامیہ سے بات چیت کے دوران پھر ایک ایسے باقاعدہ معاہدہ پر زور دیا جو پاکستان کی مشرقی سرحد کے تحفظ کی ضمانت دے' اور جس کی توثیق کانگرس بھی کرے' امریکا نے یہ مطالبہ ماننے سے پھر انکار کر دیا۔ صدر کارٹر نے پاکستان کو بہلانے کے لیے صرف کانگریس کے سامنے ۱۹۵۹ کے معاہدہ کو پھر دہرا دیا' جو ۱۹۶۵ اور ۱۹۷۱ میں کھوکھلا ثابت ہو چکا تھا۔

جس بے سرو سامانی کے عالم میں پاکستان بنا' اس کی وجہ سے امریکا کے در تک جانے میں اس کا ایک اہم ہدف اسلحہ کا حصول تھا۔ ۱۹۵۵ - ۱۹۶۵ کے دوران امریکا کے فراہم کردہ ۹۰۰ ملین ڈالر کے اسلحہ نے یقیناً پاکستان کی دفاعی صلاحیت میں نمایاں اضافہ کیا۔ لیکن اسلحہ جس مقدار میں ملا' اس کی جتنی گراں سیاسی قیمت "پہلے" یا "بعد" میں وصول کر لی گئی بلکہ اسلحہ نہیں دیا گیا' اور پھر جس رفتار سے ملا' جس طرح اس پر بار بار بندشیں لگتی رہیں' وہ یہ ظاہر کرنے کے لیے کافی ہے کہ یہ اسلحہ پاکستان کے دفاع اور سلامتی کے لیے نہ تھا۔ یہ بات الگ اپنی جگہ قابل غور ہے کہ کیا اس اسلحہ کے لیے پاکستان کو وہ گراں اسٹریٹیجک قیمت ادا کرنا چاہیے تھی جو اس نے کی؟

امریکا نے پاکستان کو اسلحہ کی فراہمی پر پہلی پابندی ۱۲ مارچ ۱۹۴۸ کو لگائی۔ کشمیر میں فوجی کارروائیوں کے آغاز کے نتیجہ میں' وزیر خارجہ جارج مارشل کی سفارش پر صدر ٹرومین نے' بغیر

اعلان کے یہ غیر رسمی پابندی عائد کی (دستاویزات' ص ۹۸)۔ غیر جانب داری کے نام پر یہ پابندی انتہائی جانب دارانہ تھی' اس لیے کہ اس وقت پاکستان کے پاس تو کارتوس تک بھی نہ تھے۔ یہ پابندی اتنی شدید تھی کہ جب مئی ۱۹۴۸ میں برطانوی حکومت نے کچھ کارتوس پاکستان کو بیچنا چاہے تو اس کو منع کر دیا گیا۔ یہ پابندی ۲۹ مارچ ۱۹۴۹ کو اٹھائی گئی۔

اسلحہ فراہم کرنے کے تقریباً دس سالہ دور کے بعد' جس دوران پاکستان نے امریکا کے علاوہ کسی سے کوئی اسلحہ نہیں لیا' اور جس کے نتیجہ میں پاکستان کی دفاعی صلاحیت اس "مقام" پر پہنچ گئی تھی کہ وہ ہندوستان کے حملہ کو "۱۷ دن" تک روک سکے' ۸ ستمبر ۱۹۶۵ کو صدر جانسن نے دوسری بار پاکستان کو ہر قسم کے اسلحہ کی ترسیل پر' بلکہ تمام معاشی امداد پر' مکمل پابندی عائد کر دی۔ یہ پابندی اس وقت سے اب تک تقریباً مسلسل ہی چلی آرہی ہے' سوائے چند بے نتیجہ عارضی وقفوں کے' یا صدر ریگن کے دور میں افغان جہاد کی وجہ سے چند سال کچھ امداد کے۔

صدر جانسن نے یہ پابندی بھی مکمل "غیر جانبداری" کے نام پر لگائی۔ لیکن وہ پاکستان سے صرف اس لیے ناراض نہ تھے کہ اس نے کشمیر میں کیوں مداخلت کی' بلکہ وہ اسے اس بات کی سزا بھی دے رہے تھے کہ اس نے ۱۹۶۲ میں ہندوستان کو دی گئی امریکی امداد کو خاموشی سے کیوں قبول نہیں کیا' چین سے تعلقات کیوں استوار کیے' اور فضائی سروس کیوں شروع کی' ویت نام میں فوجی دستے بھیجنے سے کیوں انکار کیا۔ یہ پابندی بھی جانب دارانہ تھی' کیونکہ بھارت تو صرف ۱۰ فی صد سپلائی امریکا سے لیتا تھا' جب کہ پاکستان کا انحصار "کلیتاً" امریکا پر تھا۔ روس نے تو ۱۹۶۵ کی جنگ ختم ہوتے ہی بھارت کو ترسیل شروع کر دی' لیکن امریکا کی پالیسی میں پاکستان کے لیے کوئی نرم گوشہ نہ پیدا ہوا۔

پھر صدر نکسن نے چین سے تعلقات استوار کرانے میں پاکستان کی مدد کے صلہ میں' ۱۹۶۹ میں' "صرف ایک دفعہ" کی بنیاد پر' نہ کہ "دروازہ کھول دینے" کے لیے' پاکستان کو نقد ادائیگی پر ۳۰۰ مسلح فوجی بردار گاڑیاں (A P C) فراہم کرنے کی منظوری دینے کا عظیم احسان کیا۔ لیکن ۷۱ - ۱۹۷۰ میں مشرقی پاکستان میں فوجی کارروائی اور کانگریس کی شدید مخالفت کی بنیاد پر صدر نکسن بات اس سے آگے نہ بڑھا سکے' بلکہ اپریل ۱۹۷۱ میں پھر مکمل پابندی لگا دی گئی' اور ۳۰۰ گاڑیوں کی فراہمی بھی' جن کی قیمت پاکستان ادا کر چکا تھا' ۱۹۷۵ میں جا کر مکمل ہوئی۔

مسٹر بھٹو نے بھی اسلحہ کا "روزن" کھلوانے کے لیے جان توڑ کوشش کی۔ ان کے واشنگٹن کے دورے کے بعد اپریل ۱۹۷۲ میں پھر "کھڑکی" ذرا سی کھولی گئی' اور کچھ فالتو پرزے فراہم کیے

گئے۔ اس کے لیے مسٹر بھٹو نے امریکا کا بے انتہا شکریہ ادا کیا۔ جب امریکا نے دیکھا کہ پاکستان روس، فرانس اور چین سے اسلحہ خرید رہا ہے، اور ایران اور سعودی عرب نے بھی پاکستان کی سفارش کی، تو صدر نکسن کے جانشین صدر فورڈ نے فروری ۱۹۷۵ میں یہ پابندی اٹھالی۔ لیکن اس سے پہلے کہ اس اقدام سے پاکستان کو کچھ مل سکتا، مارچ ۷۶ میں پاکستان نے فرانس سے نیوکلیر پلانٹ لینے کا معاہدہ کرلیا، اور پاکستان کے نیوکلیر بم کا قضیہ کھڑا ہو گیا۔

اگست ۱۹۷۶ میں کسنجر پاکستان آئے (آخری دفعہ)، اور فرنچ پلانٹ کی خریداری سے باز رہنے کی قیمت کے طور پر ۱۰۰، اے - ۷ جیٹ فائٹر طیارے پاکستان کو فروخت کرنے کا لالچ دیا۔ پاکستانی فوج "غیر یقینی" نیوکلیر پروگرام کے بجائے "نقد" طیاروں کو قبول کرنے کے حق میں تھی، مگر مسٹر بھٹو کو بجا طور پر یہ یقین نہ تھا کہ یہ جہاز مل بھی جائیں گے۔ جلد ہی اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے اس کے خلاف شور مچانا شروع کر دیا، اس کو رشوت قرار دیا، اور کہا کہ اس سے مستقبل میں بلیک میل کا راستہ کھل جائے گا۔ چنانچہ جب پاکستان نے یہ طیارے خریدنے کی درخواست دی تو صدر کارٹر نے اسے مسترد کر دیا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ صدر کارٹر نے زور شور کے ساتھ اسلحہ کی فروخت پر پابندی کی ایک عمومی پالیسی بنائی، اس کے باوجود پہلے چار مہینوں میں (مئی تا ستمبر ۱۹۷۷) ۱۸ ممالک کو ۱ء۴ بلین ڈالر کے اسلحہ کی فروخت کے ۴۵ معاہدے ہوئے۔ ہاں، اس سارے زور شور کا ہدف ایک ملک بنا، وہ تھا پاکستان۔ یہ حشر ہوا کسنجر کی پیش کش کا۔ یہ بات بھی دلچسپ ہے کہ اسلحہ کی برآمد پر کنٹرول کے قانون میں صرف پاکستان کو ہدف بنانے کے لیے ترمیم لگائی گئی کہ جو ملک نیوکلیر پلانٹ خریدے اسے کوئی اسلحہ فراہم نہ کیا جائے۔ اس ترمیم کے تحت اپریل ۱۹۷۹ میں پھر پاکستان کو ہر قسم کی فراہمی بند کر دی گئی۔ یہاں تک کہ جو پاکستانی افسر ٹریننگ کے لیے امریکا گئے ہوئے تھے، ان کو بھی واپس کر دیا گیا۔

دسمبر ۱۹۷۹ میں افغانستان پر روس نے حملہ کیا، تو امریکا کے رویہ میں راتوں رات تبدیلی آگئی۔ اب خلیج میں امریکی مفادات کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے باوجود کہ امریکا کے پاس پاکستان کا کوئی متبادل نہ تھا، انھوں نے پاکستان کو دو سال کی مدت میں صرف ۱۰۰ ملین ڈالر سالانہ کی فوجی امداد کی پیش کش کی۔ صدر ریگن نے اس پیش کش کو ذرا معقول صورت دی، پاکستان کے اصرار پر ایف ۱۶ طیاروں کے تین اسکواڈرن فروخت کرنا منظور کیا، قیمت بھی لے لی، لیکن وہ طیارے آج تک امریکا ہی میں کھڑے ہوئے ہیں۔

۱۹۶۲ میں امریکا کی طرف سے ہندوستان کو اسلحہ کی زبردست فراہمی، ۱۹۶۵ میں پاکستان کو فراہمی پر مکمل پابندی، ۱۹۷۱ میں ہندوستان کے حملہ اور بنگلہ دیش کے قیام، اور ۱۹۷۴ میں ہندوستان کے ہیروشیما بم کے مساوی بم کے دھماکہ کے بعد پاکستان نے نیوکلیر بم بنانے کی صلاحیت پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ بم اسرائیل بنا چکا تھا، ہندوستان بنا چکا تھا، ساؤتھ افریقا بنا چکا تھا، لیکن امریکا کا سارا نزلہ پاکستان پر گرا۔ ۱۹۷۶ میں پاکستان نے فرانس سے نیوکلیر پلانٹ خریدنے کا معاہدہ کیا، جس سے وہ بم کے لیے مطلوب یورینیم حاصل کر سکتا تھا۔ امریکا نے اپنے "یار وفادار" پاکستان کو ایک عبرت ناک مثال (horrible example) بنانے کے لیے کارروائیاں شروع کر دیں۔ ۱۹۷۶ میں کسنجر دھمکی دے کر چلے گئے، کارٹر نے اقدامات شروع کر دیے، بیچ میں افغان جہاد کی وجہ سے ایک وقفہ آیا، پھر کارروائیاں شروع ہو گئیں۔ ایک طرف امریکا پاکستان کو کوئی اسلحہ بیچنے کو بھی تیار نہ تھا، دوسری طرف وہ اسے ایٹمی صلاحیت حاصل کرنے کی کوشش کے جرم میں سبق سکھانے پر تل گیا۔ ایک طرف صرف پاکستان کو چھانٹ کر اس کے خلاف کارروائی کی جاتی رہی، دوسری طرف اپنے سارے قوانین کو بالائے طاق رکھ کر، بھارت کے تاراپور پلانٹ کے لیے صدر کارٹر نے اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے یورینیم فراہم کرنے کی اجازت دے دی۔

کشمیر، پاکستان کی شہ رگ ہے۔ امریکا سے اس کی مکمل وابستگی کا ایک بڑا ہدف یہ بھی تھا کہ کشمیر میں رائے شماری کرانے کے لیے امریکا اپنا وزن ڈالے گا۔ لیکن شہادتوں کے انبار ہیں کہ امریکا نے کشمیر کے مسئلہ کے لیے چند رسمی کارروائیوں اور خوش نما الفاظ کے علاوہ نہ کچھ کیا اور نہ کرنا چاہا۔ یہ ناقابلِ فہم ہے کہ ہمارے حکمراں اس باب میں اس سے جھوٹی توقعات کیوں باندھتے رہے، اور "کلیتاً" اس پر انحصار کیوں کیا۔

لیاقت علی خاں تو اتنے سادہ لوح تھے کہ وہ سمجھتے تھے کہ امریکا کشمیر میں ہندوستان کی جارحیت کو کوریا کی جارحیت کے مساوی سمجھے گا، جیسے آج لوگ توقع رکھتے ہیں کہ امریکا بوسنیا میں اسی طرح کارروائی کرے گا جس طرح اس نے خلیج میں کی۔ وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ کوریا اور خلیج میں مغربی مفادات اور تیل بستے تھے، جب کہ کشمیر اور بوسنیا میں صرف مظلوم انسان۔

پاکستانی حکمراں جانتے تھے کہ امریکا کے ساتھ دفاعی معاہدوں میں شرکت سے وہ روس، چین اور غیر جانبدار تحریک کے دیگر ممالک کی حمایت کھو دیں گے۔ لیکن وہ یہ مخالفت مول لینے کی بھاری قیمت ادا کرنے کے لیے آمادہ ہو گئے، اس لیے کہ وہ اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کہ کشمیر پر

امریکا کی حمایت ان سب کی مخالفت پر بھاری ہو گی۔ ہندوستان کو بھی ان معاہدوں کا بہانہ ہاتھ آگیا' اور اس نے رائے شماری سے انکار کر دیا۔ مسلم ممالک کی حمایت بھی پاکستان نے کھو دی۔ ناصر نے پاکستان کو "مغربی سامراج کا پٹھو" قرار دیا' اور اعلان کیا کہ "سویز ہمیں اتنا ہی عزیز ہے جتنا ہندوستان کو کشمیر"۔ (طاہر خلیلی' ص ۱۳)

جب روس اقوام متحدہ میں رائے شماری کے حق میں اپنے موقف سے پھر گیا' تو امریکا نے کسی ردِعمل کا اظہار نہیں کیا۔ پاکستان نے بھی اس کو کوئی اہمیت نہ دی۔ وہ امریکا کی حمایت کو کافی سمجھتا تھا۔ بالآخر دسمبر ۱۹۵۵ میں خروشچف اور بلگانن نے سری نگر میں یہ اعلان کیا کہ: "کشمیر ہندوستان کا اٹوٹ انگ ہے"۔ اس پر بھی امریکا ٹس سے مس نہ ہوا۔ ۱۹۶۲ میں ہندوستان اور چین کی لڑائی شروع ہوئی' تو امریکا نے سب سے بڑھ کر اس بات کی کوشش کی کہ اس مرحلہ پر پاکستان ہندوستان کے لیے کوئی مشکل نہ پیدا کرے' بلکہ کشمیر کے بارہ میں منہ سے بھاپ بھی نہ نکالے۔ صدر کینیڈی نے اس مقصد کے لیے ایوب خاں کو خط لکھے اور اپنے خصوصی ایلچی بھیجے۔

معاہدہ تاشقند کے بعد کشمیر کا مسئلہ سب کے ایجنڈے سے محو ہو گیا' یہاں تک کہ کشمیری مجاہدین نے اپنے خون سے اس کو دوبارہ رقم کرنا شروع کیا۔ اس مرحلہ پر جب ہندوستان کشمیر میں بدترین مظالم ڈھا رہا ہے امریکا یا تو پاکستان کو دہشت گرد ملک قرار دینے کی دھمکیاں دے رہا ہے' یا ایسے حل تلاش کرنے میں مصروف ہے جن سے ہندوستان ناراض نہ ہو' جہاد بھی ٹھنڈا پڑ جائے اور امریکا کے مفادات پورے ہونے کا بھی کوئی راستہ نکل آئے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے اشارات' ترجمان القرآن' جون ۱۹۹۴)

پاکستانی حکمرانوں نے شروع ہی سے یہ طے کر کے امریکا سے تعلقات قائم کیے تھے کہ انھیں صرف امریکا ہی کا بن کر رہنا ہے۔ کسی اور کی طرف نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھنا۔ بیچ میں روٹھنے' اور خود ہی من جانے کے کچھ مراحل آئے' لیکن حکمراں "وفاداری بشرطِ استواری اصل ایمان ہے" کی راہ پر گام زن رہے۔ اور ہمارے خیال میں اب بھی ہیں۔

صدر ٹرومین نے ۱۹۴۹ میں پنڈت نہرو کو امریکا کے دورے کی دعوت دی' اور پاکستان کی طرف سے خواہش کے باوجود لیاقت علی خاں کو نظر انداز کر دیا۔ جب انھوں نے روس کی طرف سے ماسکو کے دورہ کی دعوت قبول کر لی' تو صدر ٹرومین نے ۲۳ نومبر ۱۹۴۹ کو انھیں دورۂ امریکا کی دعوت دے دی' لیاقت علی خاں نے جھٹ سے ماسکو کا دورہ منسوخ کر دیا۔ یہ دورہ ایسا منسوخ ہوا

کہ پھر اس کے ۱۶ سال بعد صدر ایوب پہلے پاکستانی سربراہ تھے جو اپریل ۱۹۶۵ میں ماسکو گئے۔ کیا یہ حیرت کی بات نہیں' جب کہ روس ایک عالمی طاقت تھا اور پاکستان کا پڑوسی بھی۔

امریکا سے تعلقات کی خاطر پاکستان نے مسلم ممالک کو بھی نظر انداز کر دیا' یہاں تک کہ سویز کے مسئلہ پر بھی وہ مغرب کی صف میں کھڑا ہو گیا۔ وزیر اعظم سہروردی نے دسمبر ۱۹۵۶ کو نیشنل اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہا: "امریکا اور برطانیہ جیسی بڑی طاقتوں کے ساتھ بندھنے کے بجائے ہم مسلمان ملکوں کے ساتھ متحد کیوں نہیں ہوتے؟ میرا جواب ہے کہ صفر + صفر + صفر' بہرحال صفر ہی رہے گا" (دستاویزات' ص ۱۲۵)۔ ۲۲ فروری ۱۹۵۷ کو انھوں نے کہا: "یہ ہماری بڑی خوش قسمتی ہے کہ ہماری پشت پر ایک طاقت ور ملک ہے جو ہماری سالمیت اور سیاسی آزادی کی ضمانت دے رہا ہے" (دستاویزات' ص ۱۳۴)۔ پھر ۲۵ فروری کو انھوں نے مزید کہا: "وہ یہ یاد رکھیں کہ ہم دل وجان سے ان کے ساتھ ہیں... اگرچہ ہم چھوٹے ہیں... ان کو ہم سے زیادہ بڑا وفادار دوست نہیں ملے گا" (دستاویزات' ص ۱۲۸)۔ صدر ایوب خاں نے جولائی ۱۹۶۰ کو فارن افیرز میں لکھا: "پاکستان نے کھلم کھلا اور غیر مشروط طور پر اپنی قسمت مغرب کے ساتھ وابستہ کر دی ہے" (دستاویزات' ص ۱۸۷)۔ ۱۷ جولائی ۱۹۶۱ کو انھوں نے کہا: "جب مشکل وقت پڑے گا' تو ایشیا میں پاکستان امریکا کا واحد دوست ہو گا" (دستاویزات' ص ۲۰۳)۔ امریکا نے جب آنکھیں پھیرنا شروع کیں' تو مسٹر بھٹو نے ۲۴ جولائی ۱۹۶۳ کو نیشنل اسمبلی میں گلہ کیا: "ہم نے مغرب کے لیے قربانیاں دی ہیں۔ مسٹر خروشچف نے ہمیں دھمکی دی کہ پاکستان کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ ہم نے اپنا پورا مستقبل مغرب کے ساتھ اتحاد کے داؤں پر لگا دیا۔ دونوں کے درمیان جنگ کی صورت میں ہم نے نیوکلیر جنگ کا خطرہ مول لیا۔ لیکن آج کیا ہو رہا ہے!" (دستاویزات' ص ۲۲۳)۔

پاکستان نے' جو امریکا کا یار وفادار رہا ہے اور اب بھی ہے' اگر امریکا کے علاوہ کسی کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی دیکھا تو امریکا نے اس کی تذلیل و تحقیر بھی کی' اور سزا بھی دی۔ جب ۱۹۶۲ میں امریکا نے بھارت کو زبردست مقدار میں اسلحہ دیا' تو صدر ایوب نے جوابی کارروائی کے طور پر مارچ ۱۹۶۳ میں چین کے ساتھ سرحدی معاہدہ کر لیا' پھر پیکنگ تک فضائی سروس شروع کر دی' اور ۱۹۶۴ میں صدر جانسن کی طرف سے ویت نام میں فوجی دستے بھیجنے سے انکار کر دیا۔ صدر جانسن نے اپنی ناراضگی ظاہر کرنے کے لیے اپریل ۱۹۶۵ میں ایوب کا مجوزہ دورہ امریکا منسوخ کر دیا' اور ۱۹۶۵ میں ہونے والی پاکستان کے امدادی کنسورشیم کی میٹنگ بھی منسوخ کرا دی۔ گویا امریکا ایک عالمی طاقت ہونے کی حیثیت سے آزاد تھا کہ جس سے چاہے "تعلق" قائم کرے اور پاکستان سے جیسا چاہے سلوک کرے' پاکستان کو ایک

چھوٹے' محتاج اور باج گزار ملک ہونے کی وجہ سے یہ اجازت نہ دی جا سکتی تھی کہ وہ ہرجائی پن کا مظاہرہ کرے۔

امریکا سے ہم کوئی گلہ شکوہ کرنا صحیح نہیں سمجھتے۔ اس نے ہمیں کبھی دھوکے میں نہیں رکھا۔ اس کی پالیسی آغاز ہی سے یکساں اور واضح رہی ہے۔ ہم ہی نے جھوٹی توقعات باندھیں' اور خود فریبی میں مبتلا رہے۔ اس کی پالیسی بین الاقوامی سیاست کے اس معروف اصول کے عین مطابق رہی ہے کہ: "کوئی دوست' مستقل دوست نہیں ہوتا' اصل دوستی صرف اپنے مفادات سے ہوتی ہے"۔ ہمارا گلہ شکوہ ہے تو اپنے حکمرانوں سے ہے۔ انھوں نے اپنے مفادات کو فراموش کر دیا' امریکا سے مستقل دوستی کا نشہ۔ اس کی پشت پناہی کو کافی سمجھا۔ اور' پے در پے بین الاقوامی سیاست کی تلخ حقیقتوں سے دوچار ہونے کے باوجود' انھی پتوں پر آج بھی تکیہ کیے ہوئے ہیں۔

آج درونِ پردہ کیا ہو رہا ہے؟ اس سے ہم زیادہ باخبر نہیں۔ لیکن محسوس یہی ہوتا ہے کہ ماضی کے سارے اسباق' سیاستِ عالم میں دور رس تبدیلیوں' اور دنیا میں برپا تہذیبی کشمکش کے باوجود' یہ تعلقات ماضی کی نہج سے کچھ زیادہ مختلف انداز میں پروان نہیں چڑھ رہے۔ امریکہ کی طرف سے وہی بھارت نوازی اور پاکستان پر چاند ماری (Pakistan - bashing) ہے' ایٹمی پروگرام سے دست برداری اور منڈیاں کھول دینے پر اصرار ہے' کہ اب کمیونزم کے زوال کے بعد' ایک طرف اڈوں' میدانِ جنگ اور کرایہ کے سپاہیوں کی ضرورت ختم ہو گئی ہے' اور دوسری طرف چاند ماری میں شدت سے کسی نقصان کا خدشہ بھی نہیں ہے۔ پاکستان کی طرف سے وہی ڈالروں اور اسلحہ کے لیے گدائی' اور اس کی عوض امریکی مطالبات کی تکمیل۔

امریکا کے ساتھ خوش گوار تعلقات ہماری قومی و سیاسی ضرورت بھی ہیں' اور نظریاتی بھی۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ ان تعلقات کی نئے خطوط پر تشکیلِ نو کی شدید ضرورت ہے۔

۱۔ اس تشکیلِ نو کے لیے سب سے پہلے سیاستِ عالم کا صحیح ادراک ضروری ہے۔ ہمارا ترپ کا پتّا امریکا کا کمیونزم کی توسیع کا خوف تھا۔ اب یہ پتّا ہمارے ہاتھ میں نہیں رہا۔ بھارت کی بڑھتی ہوئی فوجی طاقت کی روک تھام کرنا' یا اس کے ساتھ ہمارے عدم توازن کو کم کرنا' امریکہ کے ایجنڈے میں کوئی مقام نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کے برعکس اس کا مفاد یہ ہے کہ بھارت کی طاقت بڑھتی رہے' ہم اپنی حدود میں رہیں' ایٹمی صلاحیت حاصل کریں نہ جارحانہ اسلحہ' اور اس کی بالادستی تسلیم کر لیں۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اب ہمارے پاس کوئی کارڈ نہیں رہ گئے۔

۲- اسی طرح مستقبل کی تہذیبی کشمکش کے امکانات اور نہج کا صحیح ادراک بھی ضروری ہے: مغرب کے اندازے اور منصوبے' اور ہمارے اپنے اہداف اور کرنے کے کام کیا ہیں۔ اس لیے کہ مغرب نے "اسلامی خطرہ" کا جو تصور بنا لیا ہے' اس کے ہمارے تعلقات پر گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہیں' اور یہ مزید گہرے ہوتے جائیں گے۔ لیکن اسلام کو "خطرہ" کے بجائے ایک "امکان" بنانا ممکن ہے۔

۳- یہ جاننا چاہیے کہ ان تعلقات کو خوش گوار رکھنے کے لیے یہ ضروری نہ ہونا چاہیے کہ ہم امریکا کے دست نگر بھی ہوں یا اس کے ہر مطالبہ کے آگے سر جھکاتے چلے جائیں۔ اپنے اہداف کے واضح شعور کے ساتھ' ثقافتی و معاشی محتاجی و گدائی سے نجات پا کر' ہمارے لیے یہ ممکن ہونا چاہیے کہ اپنے اہم اور حساس قومی مفادات اور اپنی دینی و نظریاتی حیثیت قربان کیے بغیر بھی' لین دین کے اصول پر خوش گوار تعلقات رکھ سکیں۔

۴- امریکا ایک بہت بڑا اور طاقت ور ملک ہے' غالب مغربی تہذیب کا لیڈر ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہمارا ملک بہت چھوٹا ہے' اور ہم نے اپنی غلط کاریوں سے اسے اور بہت "چھوٹا" کر دیا ہے۔ ۱۹۸۷ کے ایک امریکی تجزیہ کے مطابق: "ایک انتہائی ضعیف حلیف' مفلس اور قلاش' جس کی تاریخ سیاسی افتراق و عدم استحکام کی تاریخ ہے" (ورسنگ' ص ۱۱-۱۲)۔ ہمارے ہاتھ میں کارڈ پہلے بھی زیادہ نہ تھے' اب اور تھوڑے رہ گئے ہیں۔ اس لیے ہمیں یہ شعور ہونا چاہیے کہ یہ لین دین برابر کا ہونا دشوار ہے۔ لیکن تاریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں کہ ایک کمزور فریق' اگر حکمت اور واضح حکمتِ عملی رکھتا ہو' تو کچھ زیادہ دے کر بھی آگے بڑھنے کا راستہ بنا لیتا ہے' بشرطیکہ ہمارے ماضی و حال کے حکمرانوں کی طرح پہلے ہی دل و جان سے غلام بننے کو تیار نہ ہو۔ صلاح الدین ایوبی نے لین دین میں جس نشیب و فراز سے گزر کر بیت المقدس دوبارہ فتح کیا' اس سے واقفیت ہی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔

۵- قومی سطح پر جذباتی انداز میں امریکا پر چاند ماری (America - bashing) کو بھی ختم ہونا چاہیے۔ قرآن نے بتوں کو بھی برا بھلا کہنے سے منع کیا ہے۔ امریکا سے اختلاف ہو سکتا ہے' اس پر سنجیدہ اور مدلل تنقید ہونا چاہیے' اس کی دو عملی سیاست کی نقاب کشائی بھی' لیکن دشنام طرازی اور غیر منصفانہ تنقید ہمارے دین و ایمان کے بھی منافی ہے' ہمارے قومی مفاد کے بھی' اس سے کچھ حاصل بھی نہیں۔

۶- ہمیں امریکی سیاسی نظام میں طاقت کے ہر مرکز سے اپنے اہداف کے حصول کے لیے رجوع کرنا چاہیے۔ ابتدائی دور کی دوستی کے "سنہرے لمحات" ایوب خاں جیسے لوگوں کے آئزن

ہاور' جان فاسٹر ڈلس اور ایڈمیرل ریڈ فورڈ جیسے لوگوں سے ذاتی تعلقات پر قائم تھے۔ جب ڈلس کا انتقال ہو گیا اور آئزن ہاور کی جگہ کینیڈی صدر ہو گئے' تو ان کے تعلقات کے نیچے سے زمین سرکنا شروع ہو گئی۔ پاکستانی حکمرانوں نے امریکی حکومت کی دوسری شاخ' کانگریس اور سینیٹ' سے تعلقات کو کوئی اہمیت نہ دی' اور امریکا میں پاکستان کی کوئی لابی سرگرم کار نہ رہی۔ اب ہمیں وہاں اپنی مضبوط لابی بنانا چاہیے۔ پروفیشنل لابی بھی' اور پاکستانی امریکن شہریوں کی لابی بھی۔

۷ - باہمی تنازعات موجود ہیں' اور رہیں گے۔ لیکن ہمیں امریکی حکمرانوں اور پالیسی سازوں' جن سے ہم معاملات کرتے ہیں' اور عام امریکی افسران اور عوام کے درمیان فرق ملحوظ رکھنا چاہیے' اور انصاف اور حق کے حوالہ سے براہِ راست ان کے دل و دماغ سے اپیل کرنا چاہیے۔ امریکا ہی میں یہ ممکن ہے کہ بوسنیا کے مسئلہ پر اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ کے تین اعلیٰ افسران استعفے دے دیں' اور امریکن عوام امریکا کو ویت نام اور صومالیہ سے نکلنے پر مجبور کر دیں۔

۸ - ہمیں امریکا کی تاریخ' ان کی جڑوں (roots) اور نفسیات سے بھی آگاہ ہونا چاہیے۔ یہ ملک "اللہ سے عہد" (Covenant of God) کے ایفا اور حکومتِ الٰہیہ (Kingdom of God) کے قیام کی جستجو میں قائم ہوا تھا۔ اگرچہ اب مشہور سوشیالوجسٹ رابرٹ بیلا (Bellah) کے الفاظ میں' نقضِ عہد کے نتیجہ میں یہ میثاق "میثاقِ شکستہ" (broken covenant) بن چکا ہے۔ اور امریکا میں مادہ پرستی کا غلبہ ہے' لیکن اس سے انکار ممکن نہیں کہ اس "میثاق" کے ورثہ میں ہمیں ایسی بے شمار چیزیں مل جائیں گی جو کَلِمَۃٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ کا مصداق ہوں۔ اپنی کمزوری اور عدم توازن کے باوجود ہم یہ مشترک اقدار و مفادات تلاش کر سکتے ہیں' اور خوش گوار تعلقات میں یہ اپنا حصہ ادا کر سکتے ہیں۔

ہم ڈپلومیٹک عمل میں نئے متعین اقدامات کی نشان دہی نہیں کرنا چاہتے کہ یہ' اس عمل سے پوری آگاہی کے بغیر' اندھیرے میں تیر چلانے کے مترادف ہو گا۔

تقریباً نصف صدی کی غلط پالیسیوں' بد عملیوں اور امریکا کے ساتھ اندھا دھند وابستگی اور مکمل انحصار کے نتیجہ میں جو تنکے بکھر چکے ہیں' ان کو جوڑ کر ہم اپنا آشیاں پھر سے تعمیر کر سکتے ہیں۔ ضعف و شباب قوموں کا اٹل مقدر نہیں۔ صحیح سمت و مقصد اختیار کر کے اور صبر و حکمت کے ساتھ مناسب اقدامات کر کے ہم اپنی پس ماندگی اور ذلت اور محتاجی کی موجودہ حالت میں عظیم تغیر برپا کر سکتے ہیں۔

۱- صحیح سمت و مقصد سب سے مقدم ہے۔ ہم دفاع اور سلامتی کے لیے' بقا و ترقی کے لیے' صرف اللہ کی طرف دیکھنے کا فیصلہ کرلیں' امریکا کی طرف نہ کسی اور کی طرف۔ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ (جو اپنے کو اللہ کے سپرد کر دے' اللہ اس کے لیے کافی ہے)۔ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (وہ' جن سے لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑے لوگ جمع ہو گئے ہیں' ان سے ڈرو' تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انھوں نے جواب دیا کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے)۔

دجالی تہذیب کے غلبہ کے اس دور میں' جب اسباب ہی ارباب بن گئے ہیں' یہ بات "ملا کی بڑ" لگے گی۔ جب کارڈینل ولزے (م ۱۵۳۰) کو' جس نے برطانیہ کے ہنری ہشتم کی وفاداری اور یکے بعد دیگرے اس کی شادیوں کے لیے اجتہاد و تحریف کے لیے اپنی جان لڑا دی' بالآخر بادشاہ نے موت کی کوٹھری میں پہنچا دیا' تو اس نے کہا کہ "اگر میں نے اتنی ہی جانثاری سے اپنے خدا کی خدمت کی ہوتی' تو وہ مجھے اس انجام تک نہ پہنچاتا"۔ جس یکسوئی اور اخلاص سے ہم نے امریکا کی طرف دیکھا' اگر خدا کی طرف دیکھتے اور اس کا دامن پکڑتے تو اس انجام تک نہ پہنچتے۔

۲- دوسرا قدم یہ ہے کہ ہم یہ فیصلہ کرلیں کہ ہماری ترقی اور دفاع کا انحصار صرف اسلحہ پر نہیں ہے جو امریکا ہمیں دے' نہ معاشی ترقی پر جو سودی قرضے لے کر ہو۔ اس مقصد کے لیے عصائے موسوی ہماری بغل میں ہے' ہم ہی رسی کے سانپوں کو دیکھ دیکھ کر کانپ رہے ہیں یا ان کے آگے سجدہ ریز ہو رہے ہیں۔ "اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا' تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا" (اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ)۔ "اللہ تمہاری مدد اس وقت کرے گا جب تم اللہ کی مدد کرو گے" (اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ)۔ "اگر تم صبر اور اختیار کرلو تو [تمہارے دشمنوں] کا کوئی حربہ تمہیں نقصان نہ پہنچا سکے گا" (اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا)۔

۳- اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا ہو یا شریعت نافذ کرنا ہو' لائحہ عمل میں سب سے پہلا اقدام یہ ہے کہ ہم مغربی ثقافت کی غلامی سے نجات حاصل کریں۔ زبان میں' لباس میں' رسوم و رواج میں' میڈیا میں۔ ثقافت کا بسیرا زبان کے قالب میں ہوتا ہے۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ' ہم مناسب سطح پر بہترین انگریزی ضرور پڑھائیں' لیکن ہر طالب علم کو نہ پڑھائیں اور دفاتر' عدالتوں' فوج اور بازاروں کو انگریزی سے پاک کردیں۔

۴- دوسرا اہم عملی اقدام یہ ہے کہ ہم معاشی خود کفالت کی فکر کریں۔ جلد از جلد

بتدریج سودی قرضوں سے نجات حاصل کریں' اسراف و تبذیر ختم کر دیں' ترقی کے اجتہادی "ماڈل" اختیار کریں' "پیداوار سے زیادہ "انسان" کو ترقی دیں' اور جو اللہ نے ہمیں دیا ہے اسی کے اندر اپنے منصوبے بنائیں۔

۵ - دفاع کے لیے ہم' اپنے خطرات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لے کر' جرات کے ساتھ وہ فیصلے کریں جن سے ہماری سلامتی کا تحفظ واقعی ممکن ہو سکے۔ ہمیں آگے بڑھ کر دشمن کو روکنے کی تیاری بھی کرنا چاہیے' سرحدوں کے دفاع کی بھی' لیکن دراصل ساری قوم کو ایسی عوامی مزاحمت کے لیے تیار کرنا ضروری ہے کہ کوئی دشمن اندر گھس جائے تو اس کے لیے جینا دوبھر ہو جائے۔

۶ - یہ سارا لائحہ عمل اسی طرح ایک خواب رہے گا جس طرح اب تک رہا ہے' جب تک ہمیں اس پر یقین رکھنے والی اور اس کو خلوص و محنت سے عملی جامہ پہنانے والی سیاسی قیادت میسر نہ آئے۔ صرف حکومت کی سطح پر نہیں بلکہ ہر شعبۂ زندگی میں۔

کیا ہماری موجودہ قیادت —— حکومتی ہو یا معاشرتی —— یہ کام کر سکتی ہے ؟ ہمیں یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ نہیں !

۱۔ دستاویزات سے مراد ہے : *K.Arif (ed)*, America - Pakistan Relations, *Documents Vol 1, Lahore, 1984.*

۲۔ فارن ریلیشنز : *United States, Department of State,* Foreign Relations of the United States, *Washington, 1972.*

۳۔ ورسنگ : *Robert G.Wirsing,* Pakistan Security Under Zia, 1977 - 1988, *London, 1991.*

۴۔ طاہر خیلی : *Shirin Tahir - Kheli,* United States and Pakistan, *New York, 1982.*

حکمت عملی

... ہم اپنی تحریک خلا میں نہیں چلا رہے ہیں' بلکہ واقعات کی دنیا میں چلا رہے ہیں۔ اگر ہمارا مقصد محض اعلان و اظہار حق ہوتا تو ہم ضرور صرف بے لاگ حق بات کہنے پر اکتفا کرتے' لیکن ہمیں چونکہ حق کو قائم بھی کرنے کی کوشش کرنی ہے اور اس کی اقامت کے لیے اسی واقعات کی دنیا میں سے راستہ نکالنا ہے' اس لیے ہمیں نظریات اور حکمت عملی کے درمیان توازن برقرار رکھتے ہوئے چلنا ہے۔ آئیڈیلزم کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے آخری مقصود کو نہ صرف خود پیش نظر رکھیں بلکہ دنیا کو بھی اس کی طرف بلاتے اور رغبت دلاتے رہیں اور حکمت عملی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اپنے مقصود کی طرف بتدریج بڑھیں اور واقعات کی دنیا میں ہم کو جن حالات سے سابقہ ہے ان کو اپنے مقصد کی طرف موڑنے ' اس کے لیے مفید بنانے اور مزاحمتوں کو ہٹانے کی کوشش کرتے رہیں۔ اس غرض کے لیے ہمیں اپنے آخری مقصد کے راستے میں کچھ درمیانی مقاصد اور قریب الحصول مقاصد بھی سامنے رکھنے ہوتے ہیں' تاکہ ان میں سے ایک ایک کو حاصل کرتے ہوئے ہم آگے بڑھتے جائیں (رسائل و مسائل حصہ چہارم' ص ۳۰۵-۳۰۶)

(ایک بندہ خدا)

(اشتہار)

۶۰ سال پہلے

آپ دیکھ رہے ہیں کہ مسیحیت اپنی کمزوریوں کے باوجود دنیا کے ہر حصہ میں پھیلتی چلی جا رہی ہے' اور آبادیوں کی آبادیاں کلیسا کے دائرے میں داخل ہو رہی ہیں۔ اس کی ایک وجہ تو ظاہر میں سب کو نظر آتی ہے' یعنی عیسائی قوموں کی دولت' ان کے تمدنی اثرات اور ان کی سیاسی طاقت۔ لیکن اس ظاہر کی تہ میں جو ایثار' جو قربانیاں' جو فداکاریاں' جو حیرت انگیز محنتیں اور کوششیں کام کر رہی ہیں' ان کا حال کم لوگوں کو معلوم ہے۔۔۔۔

غور تو کیجیے کہ ایک مشنری انگلستان جیسے متمدن ملک ... کو چھوڑ کر اپنے وطن سے دور صحراؤں میں انتہا درجہ کی وحشی قوموں کے درمیان جا بستا ہے' جہاں کی ہر چیز اس کے مزاج' اس کی عادات اور اس کے ذہنی و جسمانی مالوفات کے بالکل خلاف ہے۔ اس وحشت کی دنیا میں یہ متمدن اور تعلیم یافتہ انسان سال دو سال نہیں تیس تیس اور چالیس چالیس سال گزار دیتا ہے۔ ... لگاتار محنتوں سے ان کے توحش کو دور کر کے ان میں علم کا شوق اور مذہب کا ذوق پیدا کرتا ہے۔ سیکڑوں بلکہ ہزاروں برس سے جو زمینیں بنجر پڑی ہوئی ہیں' ان میں آبپاشیاں اور تخم ریزیاں کرتا ہے' اور ہزار مرتبہ ناکامیوں سے دوچار ہونے کے بعد بھی ہمت نہیں ہارتا' مایوس نہیں ہوتا' پھر محنت کرتا ہے اور پھر کوشش کرتا ہے۔ کیا یہ قربانیاں اور محنتیں رائگاں جا سکتی ہیں؟ کیا ایسے اولوالعزم اور اپنے مقصد کے پیچھے جانیں لڑا دینے والے لوگ ناکام رہ سکتے ہیں؟ اگر کامیابیاں ایسے لوگوں کے قدم نہ چومیں گی تو کیا ان لوگوں کی قدم بوسی کریں گی جو صرف زبان سے مذہب پر جان دیتے ہیں' مگر اپنے کسی فائدے اور کسی لذت اور کسی لطف کو اس پر قربان کرنے کے لیے تیار نہیں۔ مسندوں پر گاؤ تکیے لگا کر بیٹھتے ہیں۔ معتقدوں اور شاگردوں سے خدمتیں لیتے ہیں۔ بہتر سے بہتر کھانے اور عمدہ سے عمدہ لباس' اور اچھے سے اچھے مکان کے بغیر گزر نہیں کر سکتے۔ عقیدتمندوں کے جمگھٹ میں بیٹھ کر تقریریں کرتے ہیں۔ ہر طرف سے احسنت و مرحبا کے شور سنتے ہیں اور اس زندگی کو سمجھتے ہیں کہ یہ دین کی خدمت میں بسر ہو رہی ہے۔

(اشارات' سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ' ربیع الثانی ۱۳۵۳ مطابق اگست ۱۹۳۴)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ يُّرْسِلَ الرِّيَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَّلِيُذِيْقَكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ

اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ وہ ہوائیں بھیجتا ہے بشارت دینے کے لیے اور
تمہیں اپنی رحمت سے بہرہ مند بنانے کے لیے۔



تعلیم کا مقصد

جب یہ تحریک کامیابی کے مرحلوں میں داخل ہوئی اور زمین میں اس کا اقتدار قائم ہو گیا تو آبادیوں کی آبادیاں فوج در فوج اس میں شامل ہونے لگیں جن کے اندر کم لوگ ایسے تھے جو اسلام کو اس کے تمام مقتضیات کے ساتھ سمجھ بوجھ کر اس پر ایمان لاتے تھے' ورنہ بیشتر لوگ محض وقت کے سیلاب میں غیر شعوری طور پر بہے چلے آ رہے تھے۔ نو مسلم آبادی کا یہ تیز رفتار پھیلاؤ بظاہر تو اسلام کے لیے سبب قوت تھا' کیونکہ پیروانِ اسلام کی تعداد بڑھ رہی تھی' لیکن فی الحقیقت اسلامی نظام کے لیے ایسی آبادی کسی کام کی نہ تھی بلکہ الٹی نقصان دہ تھی جو شعورِ اسلامی سے خالی ہو اور اس نظام کے اخلاقی مطالبات پورے کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ چنانچہ یہ نقصان غزوۂ تبوک کی تیاری کے موقع پر کھل کر سامنے آ گیا تھا۔ اس لیے عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی کہ تحریکِ اسلامی کی یہ توسیع جس رفتار کے ساتھ ہو رہی ہے اسی کے مطابق اس کے استحکام کی تدبیر بھی ہونی چاہیے' اور وہ یہ ہے کہ ہر حصۂ آبادی میں سے چند لوگوں کو لے کر تعلیم و تربیت دی جائے' پھر وہ اپنے اپنے علاقوں میں واپس جا کر عوام کی تعلیم و تربیت کا فرض انجام دیں یہاں تک کہ مسلمانوں کی پوری آبادی میں اسلام کا شعور اور حدود اللہ کا علم پھیل جائے۔

یہاں اتنی بات اور سمجھ لینی چاہیے کہ تعلیمِ عمومی کے جس انتظام کا حکم دیا گیا ہے اس کا اصل مقصد عامتہ الناس کو محض خواندہ بنانا اور ان میں کتاب خوانی کی نوعیت کا علم پھیلانا نہ تھا بلکہ واضح طور پر اس کا مقصدِ حقیقی یہ متعین کیا گیا تھا کہ لوگوں میں دین کی سمجھ پیدا ہو اور ان کو اس حد تک ہوشیار کر دیا جائے کہ وہ غیر مسلمانہ رویۂ زندگی سے بچنے لگیں۔ یہ مسلمانوں کی تعلیم کا وہ مقصد ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے خود مقرر فرما دیا ہے اور ہر تعلیمی نظام کو اسی لحاظ سے جانچا جائے گا کہ وہ اس مقصد کو کہاں تک پورا کرتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام لوگوں میں نوشت و خواند اور کتاب خوانی اور دنیوی علوم کی واقفیت پھیلانا نہیں چاہتا۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام لوگوں میں ایسی تعلیم پھیلانا چاہتا ہے جو اوپر کے خط کشیدہ مقصد تک پہنچاتی ہو۔ ورنہ ایک ایک شخص اگر اپنے وقت کا آئن شتائن اور فرائڈ ہو جائے لیکن دین کے فہم سے عاری اور غیر مسلمانہ رویہ زندگی میں بھٹکا ہوا ہو تو اسلام ایسی تعلیم پر لعنت

بھیجتا ہے۔

اس آیت میں لفظ لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ جو استعمال ہوا ہے اس سے بعد کے لوگوں میں ایک عجیب غلط فہمی پیدا ہو گئی جس کے زہریلے اثرات ایک مدت سے مسلمانوں کی مذہبی تعلیم بلکہ ان کی مذہبی زندگی پر بھی بری طرح چھائے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو تفقہ فی الدین کو تعلیم کا مقصود بتایا تھا جس کے معنی ہیں دین کو سمجھنا' اس کے نظام میں بصیرت حاصل کرنا' اس کے مزاج اور اس کی روح سے آشنا ہونا' اور اس قابل ہو جانا کہ فکر و عمل کے ہر گوشے اور زندگی کے ہر شعبے میں انسان یہ جان سکے کہ کونسا طریقِ فکر اور کونسا طرزِ عمل روحِ دین کے مطابق ہے۔ لیکن آگے چل کر جو قانونی علم اصطلاحاً "فقہ" کے نام سے موسوم ہوا اور جو رفتہ رفتہ اسلامی زندگی کی محض صورت (بمقابلہ روح) کا تفصیلی علم بن کر رہ گیا' لوگوں نے اشتراکِ لفظی کی بنا پر سمجھ لیا کہ بس یہی وہ چیز ہے جس کا حاصل کرنا حکمِ الٰہی کے مطابق تعلیم کا منتہائے مقصود ہے۔ حالانکہ وہ کُل مقصود نہیں بلکہ محض ایک جزو مقصود تھا۔ اس عظیم الشان غلط فہمی سے جو نقصانات دین اور پیروانِ دین کو پہنچے ان کا جائزہ لینے کے لیے تو ایک کتاب کی وسعت درکار ہے۔ مگر یہاں ہم اس پر متنبہ کرنے کے لیے مختصراً اتنا اشارہ کیے دیتے ہیں کہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کو جس چیز نے روحِ دین سے خالی کر کے محض جسمِ دین اور شکلِ دین کی تشریح پر مرتکز کر دیا' اور بالآخر جس چیز کی بدولت مسلمانوں کی زندگی میں ایک نری بے جان ظاہرداری' دین داری کی آخری منزل بن کر رہ گئی' وہ بڑی حد تک یہی غلط فہمی ہے۔

(تفہیم القرآن' جلد دوم' ص ۲۵۱-۲۵۲)

وضاحت

۱- ترجمان القرآن میں ترجیحاً دینی اور علمی کتابوں پر تبصرے شائع کیے جاتے ہیں۔

۲- تبصرے کے لیے کتاب کے دو نسخے آنا ضروری ہیں۔

۳- تبصرے کے لیے مطبوعات براہ راست: مدیر ترجمان القرآن منصورہ' لاہور ۵۴۵۷۰ کو بھیجی جائیں۔

فہمِ حدیث

کلامِ نبویؐ کی صحبت میں

○

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند فرشتے حاضر ہوئے۔ اس وقت آپؐ سو رہے تھے۔ بعض نے کہا: آپؐ سوئے ہوئے ہیں۔ دوسروں نے کہا: آنکھیں سو رہی ہیں مگر دل جاگ رہا ہے۔ پھر وہ کہنے لگے: تمھارے ان صاحبؐ کے لیے ایک مثال ہے' اس مثال کو بیان کرو۔ اس پر بعض نے کہا: مگر یہ تو سو رہے ہیں۔ دوسرے بولے: آنکھیں سو رہی ہیں مگر دل جاگ رہا ہے۔

وہ کہنے لگے: ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص نے مکان بنایا' اور اس میں کھانے کی دعوت کی۔ پھر ایک داعی بھیجا۔ جس نے اس داعی کی دعوت قبول کی وہ مکان میں آیا' اور اس نے کھانا کھایا۔ جس نے داعی کی دعوت قبول نہ کی' وہ نہ مکان میں آیا' نہ اس نے کھانا کھایا۔

پھر انھوں نے کہا: اس مثال کا مطلب بھی بیان کرو تاکہ آپؐ صاف صاف سمجھ لیں۔

بعض نے کہا: یہ تو سو رہے ہیں۔ دوسرے بولے: آنکھیں سو رہی ہیں مگر دل جاگ رہا ہے۔

وہ کہنے لگے: وہ مکان جنت ہے' اور داعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جس نے محمدؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی' اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ عزوجل کی نافرمانی کی۔ محمدؐ (نیک و بد) لوگوں کو الگ الگ کرکے ممیز کرنے والے ہیں۔ (بخاری' مسلم)

دارمی میں حضرت ربیعہ الجرشیؓ کی روایت میں ہے: جس نے کھانا کھایا' مالک مکان اس سے خوش ہوا ... جس نے دعوت قبول نہ کی' مالک اس سے ناراض ہوا ... مکان والا تو اللہ ہے' محمدؐ داعی ہیں' گھر اسلام ہے' اور کھانا' جنت۔

اللہ کی رضا' اسلام میں داخلہ' جنت کا انعام' ان سب کا راستہ ایک اور صرف ایک ہے: محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور اتباع۔ آپؐ کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے' آپؐ کا اتباع ہی اللہ کی محبت ہے۔

○

حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انھوں نے بیان کیا:
جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے' لوگ اس وقت کھجور کے درختوں میں پیوند لگایا کرتے تھے۔ حضورؐ نے پوچھا: یہ تم کیا کرتے ہو؟ لوگوں نے بتایا: ہم یہ کرتے رہے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: اگر تم ایسا نہ کرو تو توقع ہے کہ تمہارے لیے بہتر ہو۔ لوگوں نے پیوند کاری ترک کر دی' مگر پیداوار کم ہو گئی۔

رافعؓ کہتے ہیں: اس کا ذکر لوگوں نے آپؐ سے کیا' تو آپؐ نے فرمایا:
میں تو ایک انسان ہی ہوں۔ جب میں تمھیں تمہارے کسی دینی معاملہ میں حکم دوں تو تم اس پر عمل کرو۔ مگر جب میں تمھیں اپنی رائے سے کچھ بتلاؤں' تو پھر میں بس ایک انسان ہی (کی طرح رائے دیتا) ہوں۔ (مسلم)

دوسری روایت میں ہے: آپؐ نے فرمایا' اپنے دنیاوی معاملات سے تم زیادہ باخبر ہو۔

تبلیغ رسالت کا تعلق عقیدہ و ایمان اور زندگی بسر کرنے کے اخلاق و ضوابط سے ہے۔ ان امور کے بارہ میں آپؐ نے جو کچھ فرمایا وہ از قبیلِ وحی ہے' اور واجب الاطاعت۔ جہاں خاموشی اختیار کی وہاں آزادی دی کہ دین کے دائرہ میں رہتے ہوئے جو مناسب سمجھو وہ کرو۔

امورِ دنیا سے مراد فنی قسم کے معاملات ہیں۔ مثلاً زراعت' باغبانی' صنعت و حرفت' طب وغیرہ۔ زندگی کے دیگر شعبے' مثلاً سیاست' معیشت' معاشرت' اخلاق' تبلیغِ رسالت کے تحت آتے ہیں اور ان کے بارہ میں حضورؐ کے احکام و ہدایات کی اطاعت ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان تھے' اور ضروری نہیں کہ دنیاوی فنون و امور کے بارہ میں آپؐ کی ہر بات پر عمل واجب ہو۔ ان معاملات میں فنون کے ماہرین و تجربہ کار زیادہ باخبر ہو سکتے ہیں۔

○

حضرت عروہ بن عبداللہؒ حضرت معاویہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد قرہؓ نے بیان کیا:
میں قبیلہ مزنیہ کی ایک جماعت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ہم نے آپؐ سے بیعت کی۔ اس وقت حضورؐ کے کرتے کے بٹن کھلے ہوئے تھے۔ میں اپنا ہاتھ آپؐ کے گریبان سے اندر لے گیا' اور مہرِ نبوت کو چھوا۔

(عروہؒ کہتے ہیں) میں نے معاویہؓ اور قرہؓ (بیٹے اور باپ) دونوںؓ کو ہمیشہ اس حال میں دیکھا کہ ان کے کرتے کے بٹن کھلے رہتے تھے' جاڑے میں بھی اور گرمی میں بھی۔ (ابن ماجہ)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

ایک درزی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا، اور حضورؐ کی دعوت کی۔ میں بھی رسول اللہؐ کے ساتھ کھانے پر گیا۔ انھوں نے رسول اللہؐ کے سامنے جَو کی روٹی اور گوشت کا شوربا پیش کیا جس میں لوکی پڑی ہوئی تھی۔ میں نے دیکھا کہ نبیؐ پیالہ میں چاروں طرف لوکی کے ٹکڑے تلاش کر رہے ہیں۔ بس اس دن سے مجھے لوکی محبوب ہو گئی۔ (بخاری، مسلم)

حضرت انسؓ نے یہ بھی فرمایا، اس دن کے بعد سے میں جس سالن میں بھی لوکی ڈلوا سکتا، ضرور ڈلواتا تھا۔ (ترمذی)

یہ محبت کے تقاضے ہیں، اطاعت کے نہیں۔ نہ گرمی سردی میں بٹن کھلے رکھنا وہ سنت ہے جس کا اتباع لازم ہو، نہ لوکی کا محبوب ہونا۔

لیکن جس کو حضورؐ سے محبت ہو، وہ زیادہ سے زیادہ آپؐ کے رنگ میں رنگ جانے میں لگا رہے گا، ہر ادا کو اختیار کرے گا، ہر نقشِ قدم پر چلے گا۔

○

حضرت عمر بن الخطابؓ بیان کرتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک آدمی تھا، اس کا نام عبداللہ، اور لقب حمار تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہؐ اسے شراب نوشی کے جرم میں کوڑے لگانے کی سزا دے چکے تھے۔ ایک دن پھر وہ اسی جرم میں پکڑ کر لایا گیا، آپؐ نے کوڑے لگانے کا حکم دیا، اور کوڑے لگادیے گئے:

اس پر ایک شخص بولا: اے اللہ، تو اس پر لعنت فرما، کتنی کثرت سے یہ پکڑ کر لایا جاتا ہے۔

یہ سن کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کو لعنت مت کرو، بخدا میں جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھتا ہے۔ (بخاری)

ایک روایت میں ہے: صحابہؓ نے کہا، خدا تجھے رسوا کرے۔ حضورؐ نے فرمایا، ایسا مت کہو، اور اس کے مقابلہ میں شیطان کی مدد مت کرو (بخاری)۔ ایک اور روایت میں ہے: حضورؐ نے فرمایا، بلکہ کہو، اے اللہ، اس کی مغفرت فرما اور اس پر رحم فرما۔ (ابو داؤد)

ارادہ کے کمزور آدمی سے بھی گناہ سرزد ہو جائے، تو اس گناہ کا شرعی نتیجہ اسے بھگتنا ہو گا۔

لیکن استقامت کی کمی اور گناہِ کبیرہ کے ارتکاب کے معنی یہ نہیں کہ اس سے نفرت کی جائے، اس کو برا بھلا کہا

جائے' اس پر لعنت برسائی جائے اور بجائے دعا کے اس کے لیے بد دعائیں کی جائیں۔ بلکہ اس کے لیے مغفرت و رحمت کی دعا کی جائے' اور اسے اپنے ساتھ باندھ کر رکھا جائے۔

گناہ کبیرہ کے مرتکب کے دل میں بھی اللہ اور رسولؐ کی محبت کی تڑپ ہو سکتی ہے اور قابلِ قدر ہے۔

شیطان تو چاہتا ہی یہ ہے کہ وہ نیک لوگوں سے کٹ جائے' تاکہ مزید گناہ کی دلدل میں پھنستا جائے۔

بخاری میں اس حدیث کا عنوان ہے: شراب خور پر لعنت کرنا ناپسندیدہ ہے' اور وہ ملت سے خارج نہیں ہوتا۔

○

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں مجھ سے سب سے زیادہ محبت رکھنے والے لوگ تو وہ ہیں جو میرے بعد ہوں گے' اور یہ تمنا کریں گے کہ اپنا گھر بار اور مال' سب قربان کر کے کسی طرح مجھے دیکھ پاتے۔ (مسلم)

حضرت انسؓ سے ایک روایت میں ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں سے ملتا۔ آپؐ کے صحابہؓ نے عرض کیا: ہم بھی تو آپؐ کے بھائی ہیں! فرمایا: تم میرے صحابی ہو' بھائی تو وہ لوگ ہیں جو مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے۔ (احمد)

حضرت ابو جمعہؓ سے ایک روایت میں ہے' حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ نے رسول اللہؐ سے پوچھا: کیا ہم سے بہتر بھی کوئی ہو سکتا ہے' ہم نے آپؐ کے ساتھ اسلام قبول کیا' آپؐ کے ساتھ جہاد کیے۔ حضورؐ نے فرمایا: ہاں' وہ لوگ جو میرے بعد ہوں گے' اور مجھے دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے۔ (احمد' حاکم)

اس بشارت پر ہم جتنا خوش ہوں اور جتنے شادیانے بجائیں کم ہے۔

شرفِ صحابیت سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں' اور یہ اب کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا' لیکن آپؐ کو آنکھوں سے دیکھے بغیر آپؐ پر ایمان لانا' آپؐ کو دیکھنے کی تمنا میں تڑپنا' اور سب کچھ قربان کر دینا--- یہ وہ شرف ہے جس کے حاملین کو آپؐ نے اپنا بھائی کہا ہے۔ ولمثل ھذا فلیعمل العاملون (ایسی چیز کے لیے محنت کرنے والے محنت کریں)۔

(مرتبہ: خ-م)

تزکیہ وتربیت

حُبِّ رسولؐ

مولانا محمد بدر عالم میرٹھیؒ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اپنی جان بلکہ سب جہان سے زیادہ کرنا ضروری ہے۔

۱۔ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّلَدِہٖ وَوَالِدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (بخاری، مسلم)

انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے 'تم میں سے کوئی مومن نہیں ہے جب تک کہ میں اسے اپنے بیٹے، باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔

ایمان کا کمال یہ ہے کہ شریعت کی پیروی میں وہ لطف ولذت محسوس ہونے لگے جو طبعی مرغوبات میں محسوس ہوتا ہے۔ نماز کے وقت نماز، اور ماہ رمضان میں روزہ، اور نصاب سالانہ پر زکوٰۃ کی وہ خواہش ہو، جو سردی میں گرم کپڑے اور گرمی میں ٹھنڈک حاصل کرنے کی ہوتی ہے۔ یہ کیفیت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب کہ نفس اپنی سرشت چھوڑ کر شریعت کے تابع ہو جائے۔ اسی کا نام نفسِ مطمئنہ ہے۔ جب نفس میں یہ ذوق پیدا ہو جائے گا تو بلا کلفت شریعت پر دوامی عمل میسر آجائے گا۔ اسی وقت وہ ایمان حاصل ہو گا جو بڑی حد تک زوال کے خطرہ سے مامون ہو گا۔ شریعت میں اس کو ایمانِ کامل کہا جاتا ہے۔ یہ ایمان محبت سے حاصل ہوتا ہے۔

شیخ بدر الدین عینیؒ لکھتے ہیں کہ محبت کے تین اسباب ہیں: کمال، جمال، جود وسخا۔ یہ تینوں اوصاف آنحضرتؐ سے زیادہ کسی میں موجود نہیں۔ آپؐ کا کمال شریعتِ مطہرہ سے ظاہر ہے۔ آپؐ کا جمال احادیثِ شمائل میں موجود ہے۔ آپؐ کی روحانی ومادی بخشش وکرم کا تو کون اندازہ لگا سکتا ہے! پھر آپؐ کی محبت تمام مخلوق سے زیادہ کیوں نہ ضروری ہو۔

ماں، باپ، بیٹے کی محبت طبعی ہے، اور آنحضرتؐ کی محبت عقلی ہے۔ شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں، کمال

(التوبہ ۹: ۲۴)

ایمان یہ ہے کہ تقاضائے عقل تقاضائے طبیعت پر غالب آجائے۔ ایمان صرف عقائد و عمل کا نام نہیں بلکہ ان کیفیات کا نام ہے جن سے شدہ شدہ مومن کا قلب مزین و رنگین ہو جاتا ہے۔

قاضی عیاضؒ نے شفا میں سیرت محمد بن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ جنگ احد میں ایک انصاری عورت کا باپ' بھائی' شوہر تینوں شہید ہو گئے۔ جب اسے خبر ملی تو اس نے دریافت کیا کہ آنحضرتؐ تو بخیر ہیں؟ لوگوں نے کہا' ہاں بخیریت ہیں۔ اس نے کہا' چلو مجھے دکھلاؤ تاکہ میں خود آپؐ کے روئے انور کو دیکھ لوں۔ جب اس نے آپؐ کو دیکھ لیا تو بولی' کل مصیبۃ بعدک جلل' جب آپؐ زندہ سلامت ہیں تو اس کے بعد ہر مصیبت آسان ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں' "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انور ہمیں اپنے مال و اولاد اور والدین اور پیاس میں سرد پانی سے بھی زیادہ پیاری تھی۔ اہل مکہ زید بن وثنہؓ کو قتل کے لیے حرم سے باہر لے چلے۔ ابو سفیان بن حرب بولا' کہو زیدؓ' قسم کھا کر بتلاؤ کیا اس وقت تمہیں یہ پسند ہے کہ محمدؐ یہاں تمہاری جگہ ہوتے اور تم گھر ہوتے۔ زیدؓ نے قسم کھا کر کہا' مجھے ہرگز یہ گوارہ نہیں کہ میں اپنے گھر میں ہوں اور یہاں آپؐ کے جسم میں ایک کانٹا بھی چبھے۔ ابو سفیان کہنے لگا' میں نے کسی کو اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جتنا کہ محمدؐ کے ساتھی ان سے کرتے ہیں۔

قاضی عیاضؒ نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ بولا' آپؐ مجھے اپنے اہل و مال سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ مجھے آپؐ کی یاد آتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک یہاں آکر آپؐ کو دیکھ نہیں لیتا۔ اب غم یہ ہے کہ وفات کی بعد آپؐ تو انبیا علیہم السلام کے ساتھ ہوں گے' وہاں میں آپؐ کو کیسے دیکھا کروں گا۔ اس پر یہ آیت اتر آئی' وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا "جو لوگ اللہ و رسول کا کہنا مانتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر خدا کا انعام ہے' یعنی نبی' صدیق' شہید اور نیک لوگ' اور ان لوگوں کی صحبت بڑی غنیمت ہے" (النساء ۴: ۶۹)۔ آپؐ نے اسے بلا کر یہ آیت سنا دی۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہاں معیت سے مراد صرف جنت میں معیت ہے' جہاں ہر وقت حاضر ہو کر آپؐ کا دیدار ممکن ہوگا۔ خاص آپؐ کے مقام و منزل میں معیت مراد نہیں۔

عبداللہ بن زید بن عبد ربہؓ' جو صاحب الاذان کہے جاتے تھے' اپنے باغ میں کچھ کام کر رہے تھے۔ دفعتاً ان کے فرزند پہنچے اور آنحضرتؐ کی خبر وفات سنائی۔ اسی وقت انھوں نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے اور کہا' اے اللہ' مجھے نابینا کر دے کہ ان آنکھوں سے اب کسی کو نہ دیکھ سکوں۔

آنحضرتؐ کے صحابہؓ کو آپؐ سے ایسی ہی محبت تھی جیسا کہ حدیث میں موجود ہے۔ بد قسمتی سے اگر

کسی کو یہ مقام حاصل نہیں تو وہ ان کی محبت میں تاویل نہ کرے جن کو یہ مقام حاصل تھا۔

۲- عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ ہِشَامٍؓ قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ اٰخِذٌ بِیَدِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِؓ فَقَالَ لَہٗ عُمَرُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَاَنْتَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ اِلَّا مِنْ نَفْسِیْ فَقَالَ لَا وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ حَتّٰی اَکُوْنَ اِلَیْکَ مِنْ نَفْسِکَ فَقَالَ عُمَرُ فَاِنَّکَ الْاٰنَ وَاللّٰہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ فَقَالَ اَلْاٰنَ یَا عُمَرُ (بخاری)

عبداللہ بن ہشامؓ کہتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپؐ حضرت عمرؓ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے تھے۔ انھوں نے آپؐ سے عرض کیا' یا رسول اللہ" آپؐ مجھے اپنی جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے' جب تک تم کو میں اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہوں تم مومن نہیں ہو۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا' اچھا' اب آپؐ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گئے۔ آپؐ نے فرمایا' تو اب پکے مومن بھی ہو گئے۔

یہ عمر فاروقؓ کی صداقت تھی کہ انھوں نے اپنا اندرونی کھوٹ دربارِ رسالت میں صاف صاف کہہ ڈالا۔ اور یہ خاتم الانبیا کا کمال تھا کہ ایک سیکنڈ میں آپؐ نے ایمان کے تمام ارتقائی مدارج انھیں طے کرا دیے۔ وہ سینہ جو ابھی ابھی اپنی جان کو عزیز تر سمجھ رہا تھا' دوسری ساعت آنے نہیں پاتی کہ رسولؐ کی ذات کو اپنی جان سے زیادہ عزیز تر سمجھنے لگتا ہے۔

کہنے کو تو یہ دو ہی فقرے ہیں' مگر آپؐ کی فیضِ صحبت کی یہ برقی تاثیر عقلِ انسانی کے لیے موجبِ حیرت بن رہی ہے۔ اب سوچو کہ جہاں سیکنڈوں کی صحبت کے آثار یہ ہوں' وہاں ہفتوں' مہینوں اور سالوں کے اثرات کیا ہوں گے۔ قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا۔

اس مضمون کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں پیش کیا ہے:

اے مومنو' اگر تمھارے باپ' بھائی' ایمان کے مقابلہ میں کفر کو عزیز رکھتے ہوں تو انھیں اپنا دوست نہ بناؤ' اور جو ایسا کرے گا تو یہی لوگ ظالم ہوں گے۔ اے پیغمبرؐ' آپ کہہ دیجیے کہ تمھارے باپ' اولاد' بھائی' بی بیاں' کنبہ' تمھارا مال جو تم نے کمایا ہے' تمھاری تجارت جس کے نقصان کا تمھیں اندیشہ ہے' تمھارے رہنے کے مکان جو تمھیں بہت پسند ہیں' یہ سب چیزیں اللہ اور اس کے رسولؐ اور اس کی راہ میں جہاد سے زیادہ پیاری ہوں تو انتظار کرو' یہاں تک کہ جو خدا کو کرنا ہے تمھارے سامنے آجائے۔ خدا فاسقوں پر ہدایت کی راہ نہیں کھولتا۔

آیتِ بالا میں تفصیل کے ساتھ ان جملہ عواقب کی طرف اشارہ کر دیا گیا ہے جو اسلامی زندگی اختیار کر لینے کے بعد غیر متوقع نہیں ہوتے۔ یعنی یہ ہو سکتا ہے کہ باپ بیٹے سے اور بیٹا باپ سے' بھائی اپنے بھائی سے' شوہر اپنی بی بی سے علیحدہ ہو جائے۔ کنبہ قبیلہ روٹھ جائے۔ اپنا جمع کیا ہوا مال ہاتھوں سے نکل جائے۔ چلتی ہوئی تجارت میں روڑا اٹک جائے۔ اپنے رہائشی اچھے اچھے مکان ترک کرنے پڑ جائیں۔ مگر بتلاؤ ایسے وقت میں تم کس کا ساتھ دو گے؟ اگر کہیں عزیزوں کا ساتھ دیا تو یہ اس کا ثبوت ہو گا کہ جو ایثار و قربانی کا عہد تم نے اپنے خدا سے باندھا تھا وہ غلط تھا۔ پھر جو اس عہد شکنی کی پاداش ہو' اس کا انتظار تمہیں کرنا چاہیے۔

عزیزوں کے بڑے حقوق ہیں' اور سب حقوق کی رعایت کرنا انسان کا فرض ہے' مگر خدا اور رسولؐ کا حق سب سے مقدم ہے۔ اور اسی لیے جب کسی کے حق کی ادائیگی میں ان کا حق فوت ہو تو پھر ان کا حق مقدم کرنا ہو گا۔ والدین اپنی جگہ بہت بڑے حق دار ہیں' مگر خدا اور رسولؐ کا حق ان سے بہت زیادہ ہے۔ اسی لیے آیت کے شروع میں پیرایہ بیان یہی اختیار کیا گیا ہے کہ اگر تمہارے والدین ایمان پر کفر کو ترجیح دیں' اور خدا کے حق کو فراموش کرنے لگیں' تو پھر تمہارا حق ہو گا کہ تم بھی ان کے حق کو فراموش کر دو۔ اسی لیے دوسری جگہ فرمایا:

> یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والے ان سے محبت رکھیں جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے عداوت رکھتے ہیں' اگرچہ یہ لوگ اپنے والد' اولاد' بھائی اور کنبہ ہی کیوں نہ ہوں۔ (المجادلہ ۵۸:۲۲)

یہاں پر تقریباً ان ہی رشتوں کا پھر ذکر کیا گیا ہے جن کا اوپر کی آیت میں ذکر کیا گیا تھا۔ ہر دو آیت میں ولایت و مودت کی ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ ان عزیزوں میں خدا اور اس کے رسولؐ کی عداوت اور کفر کو اسلام پر ترجیح دینے کا میلان پایا جائے۔ اور اسی وقت اسلام اپنی محبت کا امتحان لیتا ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ یوں تو بیشتر احادیث قرآن کریم کی تشریحات ہی کا دوسرا نام ہیں' مگر بعض مرتبہ کسی حدیث کے الفاظ کسی آیت کے الفاظ سے اس قدر قریب ہوتے ہیں گویا ایک ہی مضمون کی دو تعبیریں ہیں۔ ایسے مقامات پر پہلے قرآن کریم کی آیت کا بغور مطالعہ کر لینا چاہیے' پھر اسی کی روشنی میں اس حدیث کو پڑھنا چاہیے۔ حضرت انسؓ کی اس حدیث کو ہم نے بار بار پڑھا' اور صرف اتنا ہی سمجھا کہ یہ حدیث صرف ایمانِ کامل کا معیار بتلاتی ہے' اور وہ یہ ہے کہ خدا اور رسولؐ کی محبت سب محبتوں پر غالب ہونا چاہیے۔ لیکن جب آیاتِ بالا پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ اس حدیث میں ایک اساسی اصول کی طرف

اشارہ کیا گیا ہے' اور وہ یہ کہ اسلام کے ابتدائی ماحول میں خدا اور رسولؐ پر ایمان لانا والد اور اولاد کے درمیان سب سے بڑا تفرقہ کا سبب تھا۔ بہت ممکن تھا کہ ان رشتوں کی محبت اسلامی سعادت کے حاصل ہونے میں مانع آتی۔ تاریخ اسلامی سے پتا چلتا ہے کہ بعض مرتبہ یہی محبتیں اسلامی قربانیوں کے لیے سدِ راہ بن گئی ہیں گو شاذ و نادر سہی۔ اسی کی طرف آیتِ ذیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اے ایمان والو! تمھاری بیبیوں اور اولاد میں ایسے بھی ہیں جو تمھارے لیے باعثِ فتنہ ہیں' ان سے ذرا بچتے رہنا۔ (التغابن ۶۴:۱۴)

یہ حدیث بتلاتی ہے کہ اگر باپ کے لیے کبھی ایسا موقع آئے کہ اسلام کی وجہ سے اسے اپنی اولاد چھوڑنی پڑ جائے یا اولاد کو ایسا موقع ہو کہ اپنے والدین ترک کرنے پڑیں' تو ایمان یہ ہے کہ یہ قربانیاں کر گزرنی چاہئیں۔ یہی غلبۂ محبت کے معنی ہیں۔ اب اسے آپ حبِ عقلی سے تعبیر کریں یا حبِ شرعی سے۔ جس ماحول میں ہم ہیں وہ اسلامی ماحول ہے۔ یہاں اولاد بھی مسلمان' اور والد بھی مسلمان۔ اس لیے اس طرف ذہن ہی نہیں جاتا کہ خدا اور رسولؐ کی محبت کو والدین یا اولاد کی محبت سے کوئی تقابل ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہاں تو خدا اور رسولؐ کی محبت اسی طرف اور داعی ہے کہ والدین کی محبت اور زیادہ ہو۔ لیکن جب یہ ماحول نہیں تھا اور اسلام دنیا کو کفر کی تاریکیوں سے نورِ ہدایت کی طرف نکلنے کی دعوت دے رہا تھا' اس وقت خدا و رسولؐ کی محبت' والد و اولاد کی عداوت کے ہم معنی بنی ہوئی تھی۔ جو خدا سے محبت کرتا اسے اپنے مال و اولاد کو چھوڑنا پڑتا' اور جو اپنے مال و اولاد کا ساتھ دیتا اسے خدا اور رسولؐ سے بغاوت کرنا ہوتی۔

ایک درمیانی درجہ یہ ہو سکتا تھا کہ خدا و رسولؐ کی محبت کے ساتھ دشمنوں کی محبت کو بھی نبھالیا جائے۔ یہ حدیث اس کمزوری کو دفع کرنا چاہتی ہے' اور بتلاتی ہے کہ اسلام یہ ہے کہ تم خدا اور رسولؐ کی محبت پر سب کچھ قربان کر دو' اور اس کے مقابلہ پر کسی کا ساتھ نہ دو۔ (خ۔م)

آئندہ شمارے میں

← پاکستان کی خارجہ پالیسی	:	پروفیسر خورشید احمد
← یمن میں کیا ہوا	:	عبد الغفار عزیز
← میں ---- کہ زندگی ہوں	:	محمد رضی صدیقی
← مسلمانوں کا غیظ و غضب کیوں؟	:	برنارڈ لیوس کے مقالہ کی تلخیص

اس کے علاوہ: کلام نبویؐ" حکمت مودودی" رسائل و مسائل' کتاب نما اور دیگر مستقل سلسلے۔

نبی کریمؐ، اپنے گھر میں

سید سلیمان ندویؒ

گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے ساتھ زندگی کس طرح بسر کرتے تھے؟ یہ رسول اللہؐ کی زندگی کے اسوۂ حسنہ کا بڑا ہی دلچسپ اور اہم باب ہے۔ رسول ہونے کے باوجود، یہ سارا باب اس خالص انسانی مہر و محبت سے عبارت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بے پایاں فضل سے عورت اور مرد کے درمیان رکھ دی ہے۔ اس میں محبت اور لگاؤ کا نشاط ہے، ہوسِ عشق کا خمار نہیں، رفاقت و شرکت کا بندھن ہے، آقا اور لونڈی کا تعلق نہیں، ناز و انداز کی چاشنی ہے، نافرمانی کی تلخی نہیں۔ ربیع الاول کے مہینے کی مناسبت سے، سید سلیمان ندویؒ کی سیرتِ عائشہ سے ماخوذ ایک مضمون اسی موضوع پر پیشِ خدمت ہے۔ عبارت کا حذف ظاہر نہیں کیا گیا ہے، اسلے سارے حذف کر دیے گئے ہیں، اور کچھ اضافے کیے گئے ہیں جو قوسین میں ہیں۔ (خ۔م)

حضورؐ کا گھر

حضرت عائشہؓ جس گھر میں رخصت ہو کر آئی تھیں، وہ کوئی بلند اور عالی شان عمارت نہ تھی۔ بنی نجار کے محلہ میں مسجدِ نبویؐ کے چاروں طرف چھوٹے چھوٹے متعدد حجرے تھے۔ ان ہی میں ایک حجرہ حضرت عائشہؓ کا مسکن تھا۔ یہ حجرہ مسجد کی شرقی جانب واقع تھا۔ اس کا ایک دروازہ مسجد کے اندر مغرب رخ اس طرح واقع تھا کہ گویا مسجدِ نبویؐ اس کا صحن بن گئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی دروازہ سے ہو کر مسجد میں داخل ہوتے تھے۔

حجرہ کی وسعت چھ سات ہاتھ سے [کچھ] زیادہ تھی۔ دیواریں مٹی کی تھیں اور کھجور کی پتیوں اور ٹہنیوں سے مسقف تھا۔ اوپر سے کمبل ڈال دیا گیا تھا کہ بارش کی زد سے محفوظ رہے، بلندی اتنی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو ہاتھ چھت تک پہنچ جاتا۔ دروازہ میں ایک پٹ کا کواڑ تھا، لیکن وہ عمر

پھر کبھی بند نہ ہوا۔ پردہ کے طور پر ایک کمبل پڑا رہتا تھا۔ حجرہ سے متصل ایک بالا خانہ تھا' جس کو مشربہ کہتے تھے۔

گھر کی کل کائنات ایک چارپائی' ایک چٹائی' ایک بستر' ایک تکیہ جس میں چھال بھری تھی' آٹا اور کھجور رکھنے کے ایک دو مٹکے' پانی کے ایک برتن اور پانی پینے کے ایک پیالہ سے زیادہ نہ تھی۔ مسکن مبارک گو منبعِ انوار تھا لیکن راتوں کو چراغ جلانا بھی صاحبِ مسکن کی استطاعت سے باہر تھا۔ کہتی ہیں کہ چالیس چالیس راتیں گزر جاتی تھیں اور گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا۔

گھر میں کل آدمی دو تھے' حضرت عائشہؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کچھ دن کے بعد بریرہؓ نامی ایک لونڈی کا بھی اضافہ ہو گیا تھا۔

گھر کے کاروبار کے لیے بہت زیادہ اہتمام و انتظام کی ضرورت نہ تھی۔ کھانا پکنے کی بہت کم نوبت آتی تھی۔ خود حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کبھی تین دن متصل ایسے نہیں گزرے کہ خاندانِ نبوت نے سیر ہو کر کھانا کھایا ہو۔ فرماتی تھیں' گھر میں مہینہ مہینہ بھر آگ نہیں جلتی تھی' چھوہارے اور پانی پر گزارہ تھا۔ فتحِ خیبر کے بعد آنحضرتؐ نے ازواجِ مطہرات کے سالانہ مصارف کے لیے وظائف مقرر کر دیے تھے۔ ۸۰ وسق (بارشتر) چھوہارا اور ۲۰ وسق جو۔ لیکن ایثار و فیاضی کی بدولت سال بھر کے لیے یہ سامان کبھی کافی نہ ہوا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ آپؐ باہر سے تشریف لاتے اور دریافت کرتے کہ عائشہؓ' کچھ ہے؟ جواب دیتیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' کچھ نہیں۔ اور پھر گھر بھر روزہ ہوتا' کبھی بعض انصار دودھ بھیج دیا کرتے تھے' اسی پر قناعت کر لیتے۔

اس عقل و شعور کے باوجود' جو فطرتاً فیاض قدرت کی طرف سے ان کو عطا ہوا تھا' کم سنی کی غفلت اور بھول چوک سے وہ بری نہ تھیں۔ گھر میں آٹا گوندھ کر رکھتیں اور بے خبر سو جاتیں' بکری آتی اور کھا جاتی۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے آٹا پیسا' اس کی ٹکیاں پکائیں اور آنحضرتؐ کی تشریف آوری کا انتظار کرنے لگیں۔ شب کا وقت تھا۔ آپؐ آئے تو نماز میں مشغول ہو گئے۔ ایک پڑوسی کی بکری آئی اور سب کھا گئی۔ دوسری مُسن بیبیوں کے مقابلہ میں کھانا بھی اچھا نہیں پکاتی تھیں۔

معاشرتِ ازدواجی

اسلام کا صراطِ مستقیم افراط و تفریط کے وسط سے نکلا ہے۔ وہ نہ عورت کو خدا جانتا ہے' نہ زندگی کی راہ کا کانٹا سمجھتا ہے۔ اس نے عورت کی بہترین تعریف یہ کی کہ وہ مرد کے لیے اس کش مکش گاہِ عالم میں تسکین و تسلی کی روح ہے۔ "اور اس کی نشانیوں میں سے ایک یہ ہے کہ اس

نے خود تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں کہ تم ان کے پاس پہنچ کر تسلی پاؤ اور اسی نے تم دونوں کے درمیان لطف و محبت پیدا کیا۔" (روم ۳۰: ۲۱)

یہ بحث مقصود نہیں کہ اسلام میں عورت کا کیا درجہ ہے اور اس کے کیا حقوق ہیں۔ یہاں ہم کو صرف یہ دکھانا ہے کہ آنحضرتؐ اور حضرت عائشہؓ کی خانگی زندگی میں عملاً ازدواجی تعلقات کا کیا حال تھا۔

آنحضرتؐ فرماتے ہیں: "تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی کے لیے سب سے اچھا ہے، اور میں اپنی بیویوں کے لیے تم سب سے اچھا ہوں"۔

[حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا، رسول اللہؐ جب علیحدگی میں اپنی بیویوں کے پاس ہوتے، تو آپؐ کا رویہ کیسا ہوتا تھا؟ فرمایا، وہ ایسے ہی ہوتے جیسے دوسرے مرد ہوتے ہیں۔ مگر آپؐ نہایت کریم، نہایت نرم تھے اور ہمیشہ ہنستے مسکراتے رہتے]

بیوی سے محبت

آنحضرتؐ حضرت عائشہؓ سے نہایت محبت رکھتے تھے، اور یہ تمام صحابہؓ کو معلوم تھا۔ چنانچہ لوگ قصداً اسی روز ہدیے اور تحفے بھیجتے تھے، جس روز حضرت عائشہؓ کے ہاں قیام کی باری ہوتی۔ ازواجِ مطہرات کو اس کا ملال ہوتا تھا، لیکن کوئی ٹوکنے کی ہمت نہیں کرتا تھا۔ آخر سب نے مل کر حضرت فاطمہؓ کو آمادہ کیا۔ وہ پیام لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں۔ آپؐ نے فرمایا، لختِ جگر، جس کو میں چاہوں اس کو تم نہیں چاہو گی! سیدہ عالمؓ کے لیے اتنا ہی کافی تھا، وہ واپس چلی آئیں۔ ازواج نے پھر بھیجنا چاہا، مگر وہ راضی نہ ہوئیں۔ آخر لوگوں نے حضرت امِ سلمہؓ کو بیچ میں ڈالا۔ وہ نہایت سنجیدہ اور متین بی بی تھیں۔ انہوں نے موقع پا کر متانت اور سنجیدگی کے ساتھ درخواست پیش کی۔ آپؐ نے فرمایا، امِ سلمہؓ، مجھ کو عائشہؓ کے معاملے میں دق نہ کرو، کیونکہ عائشہؓ کے علاوہ کسی اور بیوی کے لحاف میں مجھ پر وحی نازل نہیں ہوئی۔

ایک دفعہ کہیں سے کوئی ہار آیا، آپؐ نے فرمایا، یہ میں اس کو دوں گا جو دنیا میں مجھ کو سب سے محبوب ہوگا۔ سب نے کہا، یہ ابنِ ابی قحافہ کی بیٹی (عائشہؓ) کے ہاتھ لگا۔ لیکن آنحضرتؐ کی پاک و خالص محبت رنگین لباسوں اور طلائی زیوروں کے پردہ میں کبھی نہیں ظاہر ہوئی، اس لیے آپؐ نے وہ ہار اپنی کمسن نواسی، زینبؓ کی صاحب زادی امامہؓ کو عنایت فرمایا۔

ایک دفعہ ایک سفر میں، حضرت عائشہؓ کی سواری کا اونٹ بدک گیا اور ان کو لے کر ایک طرف کو بھاگا۔ آنحضرتؐ اس قدر بے قرار ہوئے کہ بے اختیار زبان مبارک سے نکل گیا، واعرو ساہ،

ہائے میری دلہن!

ایک دفعہ آنحضرتؐ باہر سے تشریف لائے۔ حضرت عائشہؓ کے سر میں درد تھا۔ اس لیے کراہ رہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا "ہائے میرا سر" ! اسی وقت آنحضرتؐ کی بیماری شروع ہوئی اور یہی آپؐ کا مرض الموت تھا۔ مرض الموت میں بار بار دریافت فرماتے تھے کہ آج کون سا دن ہے۔ لوگ سمجھ گئے کہ حضرت عائشہؓ کی باری کا انتظار ہے۔ چنانچہ آپؐ کو لوگ ان کے حجرے میں لے گئے اور آپؐ تا وفات وہیں مقیم رہے اور وہیں حضرت عائشہؓ کے زانو پر سر رکھے وفات پائی۔

فرمایا کرتے تھے کہ الٰہی' جو چیز میرے امکان میں ہے (یعنی بیویوں میں معاشرت اور لین دین کی برابری) میں اس عدل سے باز نہیں آتا' لیکن جو میرے امکان سے باہر ہے (یعنی عائشہ کی قدروقیمت) اس کو معاف کرنا۔

شوہر سے محبت

حضرت عائشہؓ کو بھی رسول اللہؐ سے نہ صرف شدید محبت تھی بلکہ شغف و عشق تھا' اس محبت کا کوئی اور دعویٰ کرتا تو ان کو ملال ہوتا تھا۔ کبھی راتوں کو حضرت عائشہؓ بیدار ہوتیں اور آپؐ کو پہلو میں نہ پاتیں تو بے قرار ہو جاتیں۔

ایک بار شب کو آنکھ کھلی تو آپؐ کو نہ پایا۔ راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے' اِدھر اُدھر ٹٹولنے لگیں۔ آخر ایک جگہ آنحضرتؐ کا قدم مبارک ملا۔ دیکھا تو آپؐ سربسجود مناجاتِ الٰہی میں مصروف ہیں۔ ایک دفعہ اور یہی واقعہ پیش آیا تو شک سے خیال کیا کہ آپؐ کسی اور بیوی کے ہاں تشریف لے گئے ہیں۔ اٹھ کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔ دیکھا تو آپؐ تسبیح و تہلیل میں مصروف ہیں۔ اپنے قصور پر نادم ہوئیں' اور بے اختیار زبان سے نکل گیا "میرے ماں باپ قربان! میں کس خیال میں ہوں اور آپؐ کس عالم میں ہیں"۔

ایک شب کا اور واقعہ ہے کہ آنکھ کھلی تو آنحضرتؐ کو نہ پایا۔ شب کا نصف حصہ گزر چکا تھا۔ اِدھر اُدھر ڈھونڈا' لیکن محبوب کا جلوہ نظر نہیں آیا۔ آخر تلاش کرتی ہوئی قبرستان پہنچیں۔ دیکھا تو آپؐ دعا و استغفار میں مشغول ہیں۔ الٹے پاؤں واپس آئیں اور صبح کو آپؐ کے سامنے یہ واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا' ہاں رات کوئی کالی کالی چیز سامنے جاتی معلوم ہوتی تھی' وہ تم ہی تھیں۔

ایک سفر میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ دونوں آپؐ کے ساتھ تھیں۔ رات کو بلاناغہ حضرت عائشہؓ کی محمل میں تشریف لاتے' اور جب تک قافلہ چلا کرتا' باتیں کیا کرتے۔ ایک دن حضرت حفصہؓ نے کہا' لاؤ ہم دونوں اپنا اپنا اونٹ بدل لیں۔ رات ہوئی تو حسبِ معمول آپؐ

حضرت عائشہؓ کے محمل میں تشریف لائے۔ دیکھا تو حضرت حفصہؓ تھیں۔ آپؐ سلام کر کے بیٹھ گئے۔ حضرت عائشہؓ تشریف آوری کی منتظر تھیں۔ جب قافلہ نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت عائشہؓ سے ضبط نہ ہو سکا' محمل سے اتر پڑیں' دونوں پاؤں گھاس پر رکھ دیے' اور بولیں' خداوندا' میں ان کو تو کچھ نہیں کہہ سکتی' تُو کوئی بچھو یا سانپ بھیج جو مجھ کو آکر ڈس لے۔

دیکھو اس فقرہ میں کس قدر نسوانی خصوصیات کی جھلک ہے۔

غزوۂ موتہ میں حضرت جعفر طیارؓ کی شہادت کی خبر آئی تو آپؐ کو سخت ملال ہوا۔ اسلام میں نوحہ ممنوع ہے۔ ایک صاحب نے آکر اطلاع دی کہ حضرت جعفرؓ کے ہاں عورتیں نوحہ کر رہی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا' منع کر دو۔ وہ گئے اور واپس آئے کہ نہیں مانتیں۔ آپؐ نے فرمایا' ان کے منہ میں خاک ڈال دو۔ وہ پھر گئے اور واپس آکر کچھ کہنے لگے۔ حضرت عائشہؓ دروازہ کی دراز سے دیکھ رہی تھیں اور بے قرار ہو رہی تھیں کہ نہ یہ صاحب جو آپؐ کہتے ہیں وہ کرتے' اور نہ آپؐ کی جان چھوڑ کر جاتے۔

آپؐ اکثر حضرت عائشہؓ کے زانو پر سر رکھے سو جاتے۔ آپؐ ایک دفعہ اسی طرح آرام فرما رہے تھے' کہ ایک خاص سبب سے حضرت ابوبکرؓ غصہ میں اندر تشریف لائے اور بیٹی کے پہلو میں کونچا دیا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں صرف اس خیال سے نہیں ہلی کہ آپؐ کے خوابِ راحت میں خلل واقع ہو گا۔

بیوی کی مدارات

آنحضرتؐ کی زندگی انسانی معاشرت کے لیے نمونہ تھی' اس بنا پر' صرف اس تعلیم کے لیے' کہ شوہر کو اپنی بیوی کی خوشنودی کی کس طرح کوشش کرنی چاہیے' آپؐ کبھی کبھی ان کے ساتھ غیر معمولی انبساط کے ساتھ پیش آتے تھے۔

آپؐ حضرت عائشہؓ کے کھیل کود پر بھی مسرت ظاہر فرماتے تھے۔ [کہتی ہیں: میں رسول اللہؐ کے پاس گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی۔ پھر جب آپؐ تشریف لاتے' تو میری سہیلیاں شرم سے چھپ جایا کرتی تھیں۔ آپؐ انھیں میرے پاس بھیجا کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ تشریف لائے تو گھر کے بڑے طاق پر پردہ پڑا تھا' جس کا ایک کونہ ہوا سے کھل گیا' اور حضرت عائشہ کی گڑیاں نظر آئیں۔ حضورؐ نے پوچھا' عائشہؓ ' یہ کیا ہے۔ بولیں' یہ میری گڑیاں ہیں۔ ان گڑیوں میں آپؐ نے ایک گھوڑا دیکھا جس کے دو پر تھے۔ پوچھا' یہ میں ان گڑیوں کے درمیان کیا دیکھ رہا ہوں؟ بولیں' یہ گھوڑا ہے۔ فرمایا' اس کے یہ پر کیسے ہیں؟ بولیں' کیا آپؐ نے سنا نہیں کہ حضرت سلیمانؑ کے

گھوڑے کے پر تھے؟ یہ سن کر حضورؐ ہنس پڑے۔]

حضرت عائشہؓ نے ایک انصاری لڑکی کی پرورش فرمائی تھی۔ اس کی شادی ہونے لگی تو اس تقریب کو معمولی سادگی کے ساتھ انجام دینے لگیں۔ آپؐ باہر سے تشریف لائے، تو فرمایا "عائشہ گیت اور راگ تو ہے نہیں"۔

ایک دفعہ عید کا دن تھا۔ حبشی عید کی خوشی میں نیزے ہلا ہلا کر پہلوانی کے کرتب دکھا رہے تھے۔ حضرت عائشہ نے یہ تماشا دیکھنا چاہا، [کہتی ہیں: میں نے نبی کریمؐ کو دیکھا کہ آپؐ میرے گھر کے دروازہ پر کھڑے ہیں۔ رسول اللہؐ نے اپنی چادر سے پردہ کر دیا تاکہ میں ان کا کھیل دیکھ لوں۔ میں آپؐ کے پیچھے کھڑی ہو گئی اور آپؐ کے کان اور مونڈھے کے درمیان کھیل دیکھنے لگی۔ آپؐ اس وقت تک میری خاطر کھڑے رہے جب تک میں کھڑی رہی۔ تم خود ہی اندازہ کر لو کہ ایک نوجوان لڑکی جو کھیل تماشا کی شائق ہو، کتنی دیر کھڑی رہی ہو گی۔]

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ آنحضرتؐ سے بڑھ بڑھ کر بول رہی تھیں۔ اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ آگئے۔ انھوں نے یہ گستاخی دیکھی تو اس قدر برہم ہوئے کہ بیٹی کو مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوراً آڑے ہو گئے۔ جب حضرت ابوبکرؓ چلے گئے تو فرمایا، کہو میں نے تم کو کیسا بچایا۔

ایک دفعہ ایک لونڈی کو لیے ہوئے آپؐ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے، پھر پوچھا کہ تم اس کو پہچانتی ہو، عرض کی، نہیں یا رسول اللہؐ۔ فرمایا، کہ فلاں شخص کی لونڈی ہے، تم اس کا گانا سننا چاہتی ہو۔ انھوں نے اپنی مرضی ظاہر کی۔ وہ تھوڑی دیر تک گاتی رہی۔ آپؐ نے گانا سن کر فرمایا، اس کے نتھنوں میں شیطان باجا بجاتا ہے۔ یعنی اس قسم کے گانے کو آپؐ نے بذاتہٖ مکروہ سمجھا۔

دل بہلانا

کبھی کبھی دل بہلانے کو آپؐ کہانی بھی کہا کرتے تھے۔ ایک دفعہ اثنائے گفت گو میں خرافہ کا نام آیا۔ فرمایا، خرافہ کو جانتی ہو کون تھا؟ قبیلہ عذرہ کا ایک آدمی تھا، اس کو جن اٹھا کر لے گئے۔ وہاں اس نے جو بڑے بڑے عجائبات دیکھے تھے، واپس آکر ان کو لوگوں سے بیان کیا تھا۔ اس بنا پر جب کوئی عجیب بات آپ لوگ سنتے ہیں تو کہتے ہیں، یہ تو خرافہ کی بات ہے۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے کہانی کہنی شروع کی۔ [یہ کہانی گیارہ سہیلیوں کے بارہ میں تھی] جو ایک دن مل بیٹھی تھیں۔ باہم طے پایا کہ ہر ایک اپنے اپنے شوہر کا حال بے کم و کاست سنائے۔

چنانچہ ہر ایک نے اپنے شوہر کا حال بیان کیا۔ حضرت عائشہؓ نے ساری کہانیاں سنائیں۔ آخری عورت امِ زرع نے اپنے شوہر کی بے حد تعریف کی۔] آنحضرتؐ تحمل کے ساتھ دیر تک یہ کہانی سنتے رہے۔ پھر فرمایا' عائشہؓ' میں تمہارے لیے ویسا ہی ہوں' جیسا ابو زرع ام زرع کے لیے۔

لیکن عین اس وقت جب آپؐ اسی قسم کی لطف و محبت کی باتوں میں مصروف ہوتے' دفعتہ" اذان کی آواز آتی۔ آپؐ اٹھ کھڑے ہوتے۔ حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ پھر یہ معلوم ہوتا کہ آپؐ ہم کو پہچانتے ہی نہیں۔

[بے تکلفی کا یہ عالم تھا' کہتی ہیں' کہ میں نبی اکرمؐ کے سامنے اس انداز میں سوئی ہوتی تھی کہ میرے پیر آپؐ کے قبلہ کی جگہ ہوتے تھے۔ جب آپؐ سجدہ کرنے لگتے تو ہاتھ سے اشارہ کرتے' تو میں اپنے پاؤں سمیٹ لیا کرتی۔ جب آپؐ کھڑے ہو جاتے تو میں دوبارہ پھیلا دیتی۔ ان دنوں ہمارے گھروں میں چراغ نہ ہوتے تھے۔

[رسول اللہؐ نماز کے لیے وضو کر کے نکلتے تو مجھے بوسہ دیتے' اور پھر نماز کے لیے تشریف لے جاتے' اور دوبارہ وضو نہ کرتے۔]

ساتھ کھانا

آپؐ اکثر حضرت عائشہؓ کے ساتھ ایک دستر خوان' بلکہ ایک ہی برتن میں کھانا کھاتے تھے۔ ایک دفعہ ایک ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ حضرت عمرؓ گزرے۔ آپؐ نے ان کو بھی بلا لیا' اور تینوں نے ایک ساتھ کھانا کھایا۔(اس وقت تک پردہ کا حکم نہیں آیا تھا)۔ کھانے میں بھی محبت کا یہ عالم تھا۔ [کہتی ہیں: نبی کریمؐ مجھ سے برتن لے کر' اسی جگہ منہ مبارک رکھ کر پانی پیتے' جہاں سے میں نے پیا ہوتا۔ اسی طرح میں ہڈی سے گوشت کترتی تو اس کے بعد نبی کریمؐ مجھ سے ہڈی لیتے اور اسی جگہ منہ مبارک رکھ کر گوشت کھاتے جہاں سے میں نے کھایا ہوتا' (حالانکہ میں حائضہ ہوتی)۔] راتوں کو گھر میں چراغ نہیں جلتا تھا' اس لیے کبھی کبھی دونوں کا ہاتھ ایک ہی بوٹی پر پڑ جاتا تھا۔

یہ دفعہ ایک ایرانی پڑوسی نے آپؐ کی دعوت کی' آپؐ نے فرمایا' عائشہؓ بھی ہوں گی؟ اس نے کہا' نہیں۔ ارشاد ہوا' تو میں بھی قبول نہیں کرتا۔ میزبان دوبارہ آیا' اور یہی سوال و جواب ہوا' اور وہ واپس چلا گیا۔ تیسری دفعہ پھر آیا۔ آپؐ نے پھر فرمایا' عائشہؓ کی بھی دعوت ہے؟ عرض کی' جی ہاں! اس کے بعد آپؐ اور حضرت عائشہؓ اس کے گھر گئے۔

سفر میں تمام ازواج تو ساتھ نہیں رہ سکتی تھیں اور کسی کو خاص طور پر ترجیح دینا بھی خلاف

انصاف تھا۔ اس بنا پر آپؐ سفر کے وقت قرعہ ڈالتے تھے۔ جن کا نام آتا وہ شرفِ ہمرہی سے ممتاز ہوتیں۔ حضرت عائشہؓ بھی متعدد سفروں میں آپؐ کے ساتھ رہی ہیں۔ حدیبیہ کے سفر میں بھی حضرت عائشہؓ ہمراہ تھیں' اور حجتہ الوداع میں تو اکثر ازواج ساتھ تھیں' جن میں ایک یہ بھی تھیں۔

ساتھ دوڑنا

ایک غزوہ میں حضرت عائشہؓ رفیق سفر تھیں۔ تمام صحابہؓ کو آگے بڑھ جانے کا حکم دیا۔ حضرت عائشہؓ سے فرمایا' آؤ دوڑیں۔ دیکھیں' کون آگے نکل جاتا ہے۔ یہ دبلی پتلی تھیں' آگے نکل گئیں۔ کئی سال کے بعد اسی قسم کا پھر ایک موقع آیا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ اب میں بھاری بھرکم ہو گئی تھی۔ اب کی آنحضرتؐ آگے نکل گئے۔ فرمایا' عائشہؓ' یہ اس دن کا جواب ہے۔

ناز و انداز

دریائے محبت کی بہت سی لہریں عورت کی خالص نسوانی خصوصیات کے اندر پنہاں ہیں۔ ناز و انداز عورت کی فطرت ہے۔ اس قسم کے واقعات جو احادیث میں مذکور ہیں' لوگ ان کو قابلِ تنقید سمجھتے ہیں۔ وہ ان کو اس نظر سے دیکھتے ہیں کہ ایک امتی کا اپنے پیغمبر کے ساتھ یہ خطاب ہے' اور اس کو بھول جاتے ہیں کہ ایک بیوی اپنے شوہر سے باتیں کر رہی ہے۔ چنانچہ اس قسم کے جو چند واقعات صحاح میں ہیں' وہ اسی حیثیت کے ہیں اور ان کو اسی نظر سے پڑھنا اور سمجھنا چاہیے۔

فرماتی ہیں کہ جب یہ حکم اترا کہ اگر کوئی عورت اپنے آپ کو پیغمبر کے حوالے کر دے (یعنی مہر معاف کر کے زوجیت میں داخل ہو) تو جائز ہے' تو مجھے غیرت آئی کہ کیا کوئی عورت ایسا بھی کر سکتی ہے۔ لیکن جب ارجاء کی آیت اتری' جس میں آپؐ کو اختیار دیا گیا تھا کہ آپؐ جس بیوی کو چاہیں پاس بلائیں یا اس کے پاس رات گزاریں اور جس کو چاہیں نہ بلائیں' تو میں نے کہا کہ "آپؐ کا خدا' دیکھتی ہوں کہ آپؐ کی ہر خواہش کو جلد پوری کر دیتا ہے"۔ "حضرت عائشہؓ کے اس قول کا منشا نعوذ باللہ اعتراض نہیں' بلکہ بیوی کا محبوبانہ ناز ہے۔ آنحضرتؐ کا معمول اس اجازتِ الٰہی کے بعد بھی یہی رہا۔ آپؐ ہر روز ازواج سے باری کی اجازت طلب فرما لیا کرتے تھے۔

آپؐ حضرت خدیجہؓ کو اکثر یاد کیا کرتے تھے' جس سے دوسری مدعیِ محبت بیویوں کو تکلیف ہوتی تھی۔ ایک دفعہ آنحضرتؐ نے حضرت خدیجہؓ کی تعریف شروع کی' اور بہت دیر تک تعریف

فرماتے رہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھے اس پر رشک آیا' تو میں نے کہا' یا رسول اللہؐ' آپؐ قریش کی بوڑھیوں میں سے ایک بوڑھی عورت کا' جس کے ہونٹ لال تھے اور جس کے مرے ہوئے ایک زمانہ ہو چکا' اتنی دیر سے اتنی تعریف فرما رہے تھے' آپؐ کو ان سے بہتر بیویاں خدا نے دی ہیں۔ یہ سن کر حضورؐ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ پھر فرمایا' یہ میری وہ بیوی تھیں کہ جب لوگوں نے میرا انکار کیا تو وہ ایمان لائی' اور جب لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے تو اس نے میری تصدیق کی' اور جب لوگ مجھے اپنی امداد سے محروم کر رہے تھے تو اس نے اپنی دولت سے میری غم خواری کی' اور اس سے اللہ تعالیٰ نے مجھے اولاد عطا کی' جب کہ دوسری بیویوں سے مجھے اولاد سے محروم کیا۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے سر میں درد تھا۔ آنحضرتؐ کا مرض الموت شروع ہو رہا تھا' آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم میرے سامنے مرتیں' تو میں تم کو اپنے ہاتھ سے غسل دیتا' اور اپنے ہاتھ سے تمھاری تجہیز و تکفین کرتا' تمھارے لیے دعا کرتا۔ عرض کی' یا رسول اللہؐ' آپؐ میری موت مناتے ہیں' اگر ایسا ہو جائے تو آپؐ اسی حجرے میں نئی بیوی لا کر رکھیں۔ آنحضرتؐ نے یہ سن کر تبسم فرمایا۔

کہیں سے کوئی قیدی گرفتار ہو کر آیا تھا اور وہ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں بند تھا۔ یہ ادھر عورتوں سے باتیں کر رہی تھیں' وہ اُدھر لوگوں کو غافل پا کر نکل بھاگا۔ آپؐ تشریف لائے تو گھر میں قیدی کو نہ پایا۔ دریافت کیا تو واقعہ معلوم ہوا۔ غصہ میں فرمایا "تمھارے ہاتھ کٹ جائیں"۔ پھر باہر نکل کر صحابہؓ کو خبر کی۔ وہ گرفتار ہو کر آیا۔ آپؐ جب اندر تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت عائشہؓ اپنے ہاتھوں کو الٹ پلٹ کر دیکھ رہی ہیں۔ پوچھا' عائشہ کیا کرتی ہو۔ عرض کی "دیکھتی ہوں کہ کون سا ہاتھ کٹے گا"۔ آپؐ متاثر ہوئے اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیے۔

آپؐ نے ایک دفعہ ارشاد فرمایا کہ عائشہ' جب تم مجھ سے خوش رہتی ہو یا ناراض ہوتی ہو تو مجھ کو پتا لگ جاتا ہے۔ ناراض ہوتی ہو تو' ابراہیم کے خدا کی قسم' اور خوش رہتی ہو تو محمدؐ کے خدا کی قسم' کھاتی ہو۔ عرض کی' یا رسول اللہؐ' صرف زبان سے نام چھوڑ دیتی ہوں۔

خدمت گزاری

گھر میں اگرچہ خادمہ موجود تھی' لیکن حضرت عائشہؓ آپؐ کا کام خود اپنے ہاتھ سے انجام دیتی تھیں' آٹا خود پیستی تھیں' خود گوندھتی تھیں' کھانا خود پکاتی تھیں' بستر اپنے ہاتھ سے خود بچھاتی تھیں۔ وضو کا پانی خود لا کر رکھتی تھیں۔ آپؐ قربانی کے جو اونٹ بھیجتے' اس کے لیے خود قلادہ بٹتی

تھیں۔ آنحضرتؐ کے سر میں اپنے ہاتھ سے کنگھا کرتی تھیں۔ جسم مبارک میں عطر مل دیتی تھیں۔ آپؐ کے کپڑے اپنے ہاتھ سے دھوتی تھیں۔ سوتے وقت مسواک اور پانی سرہانے رکھتی تھیں' مسواک کو صفائی کی غرض سے دھویا کرتی تھیں۔ گھر میں آپؐ کا کوئی مہمان آتا تو مہمانی کی خدمت انجام دیتیں۔ چنانچہ حضرت قیس غفاریؓ جو صفہ والوں میں سے تھے' بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرتؐ نے ہم لوگوں سے فرمایا کہ چلو عائشہؓ کے گھر چلو۔ جب حجرہ میں پہنچے تو فرمایا' عائشہؓ' ہم لوگوں کو کھانا کھلاؤ۔ وہ چونی کا پکا ہوا کھانا لائیں۔ آپؐ نے کھانے کی کوئی اور چیز مانگی' تو چھوہارے کا حریرہ پیش کیا۔ پھر پینے کی چیز مانگی تو ایک بڑے پیالے میں دودھ حاضر کیا۔ اس کے بعد ایک اور چھوٹے پیالے میں پانی لائیں۔

[خود نبی کریمؐ گھر کے کاموں میں پوری طرح شریک رہتے تھے۔ فرماتی ہیں : رسول اللہؐ اپنی جوتیاں خود گانٹھ لیتے تھے' اپنا کپڑا خود سی لیتے تھے' اور اپنے گھر میں اسی طرح کام کرتے تھے جس طرح تم کرتے ہو۔ (فرمایا) آپؐ آدمیوں میں سے ایک آدمی ہی تھے۔ اپنے کپڑوں کی جوئیں تک خود دیکھ لیتے تھے' اپنی بکری خود دوہ لیتے تھے' اور اپنے کام خود کر لیتے تھے۔]

احکام کی پیروی

حضرت عائشہؓ نے نو برس کی شب و روز کی طویل صحبت میں آپؐ کے کسی حکم کی کبھی مخالفت نہیں کی بلکہ انداز و اشارہ سے بھی کوئی بات ناگوار سمجھی تو فوراً ترک کر دی۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے بڑے شوق سے دروازہ پر ایک مصور پردہ لٹکایا۔ آپؐ نے اندر داخل ہونے کا قصد کیا تو پردہ پر نظر پڑی' فوراً تیوری پر بل پڑ گئے' حضرت عائشہؓ یہ دیکھ کر سہم گئیں' عرض کی' یا رسول اللہؐ! قصور معاف ' مجھ سے کیا خطا سرزد ہوئی۔ فرمایا' جس گھر میں تصویریں ہوں فرشتے نہیں داخل ہوتے۔ یہ سن کر حضرت عائشہؓ نے فوراً پردہ چاک کر ڈالا اور اس کو مصرف میں لے آئیں۔

واقعہ اِفک

[واقعہ اِفک میں منافقین نے حضرت عائشہؓ پر الزام لگا کر' خانہ نبویؐ میں آگ لگانے اور اسلام کے اتحاد میں رخنہ ڈالنے کی مہم چلائی۔ یہ دور حضورؐ کے لیے سخت آزمائش کا دور تھا۔]

آپؐ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ بسترِ علالت پر پڑی تھیں۔ آنکھیں آنسوؤں سے پرنم تھیں۔ والدین داہنے بائیں تیمارداری میں مصروف تھے۔ آپؐ قریب جا کر بیٹھ گئے ' اور

حضرت عائشہؓ سے خطاب کر کے فرمایا' عائشہؓ' اگر تم مجرم ہو تو توبہ کرو' خدا قبول کرے گا۔ ورنہ خدا خود تمھاری طہارت اور پاکی کی گواہی دے گا۔ والدین کو اشارہ کیا کہ آپؐ کو جواب دیں' لیکن ان سے کچھ کہتے نہ بنا۔ یہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ میرے آنسو دفعۃً" خشک ہو گئے' ایک قطرہ بھی آنکھوں میں نہ تھا' دل نے اپنی برات کے یقین کی بنا پر اطمینان محسوس کیا' پھر خود جواب میں اس طرح گویا ہوئیں' اگر میں اقرار کر لوں' حالانکہ خدا خوب جانتا ہے کہ میں بالکل بے گناہ ہوں' تو اس الزام کے صحیح ہونے میں کس کو شک رہ جائے گا؟ اگر انکار کروں تو لوگ کب باور کریں گے؟ میرا حال اس وقت یوسفؑ کے باپ --- کہتی ہیں کہ سوچنے پر بھی حضرت یعقوبؑ کا نام یاد نہ آیا --- کا سا ہے' جنھوں نے کہا تھا' فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ط

اب وہ وقت تھا کہ عالمِ غیب کی زبان گویا ہو' بالآخر وہ گویا ہوئی۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپؐ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی' پھر مسکراتے ہوئے سر اٹھایا۔ پیشانی پر پسینے کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلک رہے تھے'۔ اور آیتیں (جو نازل ہوئی تھیں) تلاوت فرمائیں۔ اس کے بعد قافلہ کی روانگی کے لیے جب اونٹ اٹھایا گیا تو وہیں اسی کے نیچے ہار پڑا ملا۔

[ماں نے کہا' لو بیٹی' اٹھو اور شوہر کے قدم لو۔ (تنک کر) نسوانی غرور و ناز کے ساتھ جواب دیا: میں صرف اپنے خدا کی شکر گزار ہوں (جس نے میری برات ظاہر فرمائی) کسی اور کی ممنون نہیں۔]

تحریم' ایلاء اور تخییر

تحریم

معمول شریف یہ تھا کہ نماز عصر کے بعد تھوڑی دیر تمام ازواج کے پاس جا کر بیٹھتے تھے۔ اگرچہ آپؐ کے عدل کا یہ حال تھا کہ ذرا کسی کی طرف پلہ جھک نہیں سکتا تھا --- لیکن اتفاقاً حضرت زینبؓ کے ہاں چند روز تک معمول سے زیادہ دیر تک تشریف فرما رہے --- اس لیے اوقاتِ مقررہ پر تمام ازواج کو آپؐ کی آمد کا انتظار رہتا تھا۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت زینبؓ کے کسی عزیز نے شہد بھیجا ہے۔ چونکہ شہد آپؐ کو بے انتہا مرغوب ہے' وہ روز آپؐ کے سامنے شہد پیش کرتی ہیں اور آپؐ اخلاق سے انکار نہیں فرماتے۔ اس سے روزانہ معمول میں ذرا فرق آگیا ہے۔

حضرت عائشہؓ نے حضرت حفصہؓ اور حضرت سودہؓ سے ذکر کیا کہ اس کی کوئی تدبیر کرنی

چاہیے۔ آپؐ نظافت پسند تھے' ذرا سی بو بھی نہایت ناگوارِ خاطر ہوتی تھی۔ شہد کی مکھیاں جس قسم کا پھول چوستی ہیں شہد کی مٹھاس میں اسی قسم کی لذت اور بو ہوتی ہے۔ عرب میں مغافیر ایک قسم کا پھول ہوتا ہے جس کی بو میں ذرا نبیذ کی سی کرختگی ہوتی ہے۔ حضرت عائشہؓ نے دونوں کو سمجھا دیا کہ آنحضرتؐ جب تشریف لائیں تو پوچھنا چاہیے کہ یارسول اللہؐ' آپؐ کے منہ سے یہ بو کیسی آتی ہے؟ جب آپؐ یہ فرمائیں کہ شہد کھایا ہے' تو کہنا چاہیے کہ شاید مغافیر کا شہد ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور آپؐ کو شہد سے کراہت پیدا ہوئی اور عہد کیا کہ اب شہد نہ کھاؤں گا۔

اگر یہ عام انسانوں کا واقعہ ہوتا تو کوئی ایسی بات نہ تھی لیکن یہ ایک شارعِ اعظم کا فعل تھا جس کی ایک ایک بات پر بڑے بڑے قانون کی بنیاد پڑ جاتی ہے' اس لیے خدائے پاک نے اس پر عتاب فرمایا اور سورہ تحریم کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔

ایلاء

تحریم ہی کے سلسلہ میں ایلاء کا واقعہ پیش آیا۔ اس وقت عرب کے دور دراز صوبے زیرِ نگین ہو چکے تھے۔ مال غنیمت' فتوحات اور سالانہ محاصل کا بے شمار ذخیرہ وقتاً فوقتاً مدینہ آتا رہتا تھا۔ بایں ہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی جس زہد و قناعت کے ساتھ بسر ہوتی تھی' اس کا ایک دھندلا سا خاکہ خانہ داری کے عنوان میں گزر چکا ہے۔

فتحِ خیبر کے بعد' غلہ اور کھجوروں کی جو مقدار ازواجِ مطہراتؓ کے لیے مقرر تھی ایک تو وہ خود کم تھی' پھر فیاضی اور کشادہ دستی کے سبب سال بھر تک بہ مشکل کفایت کر سکتی تھی۔ آئے دن گھر میں فاقہ ہوتا تھا۔ ازواج مطہراتؓ میں بڑے بڑے رؤسائے قبائل کی بیٹیاں بلکہ شہزادیاں داخل تھیں' جنھوں نے اس سے پہلے خود اپنے یا اپنے شوہروں کے گھروں میں ناز و نعم کی زندگیاں بسر کی تھیں۔ اس لیے انھوں نے مال و دولت کی یہ بہتات دیکھ کر آپؐ سے مصارف میں اضافہ کی خواہش کی۔

یہ واقعہ حضرت عمرؓ نے سنا تو نہایت مضطرب ہوئے۔ پہلے اپنی صاحبزادی کو سمجھایا کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مصارف کا تقاضا کرتی ہو' تم کو جو کچھ مانگنا ہو' مجھ سے مانگو۔ خدا کی قسم' حضورؐ میرا لحاظ فرماتے ہیں ورنہ تم کو طلاق دے دیتے۔ اس کے بعد عمرؓ ایک ایک بی بی کے دروازہ پر گئے اور ان کو نصیحت کی۔ حضرت ام سلمہؓ نے کہا' عمر! تم ہر چیز میں تو دخل دیتے ہی تھے' اب آپؐ کی بیویوں کے معاملہ میں بھی دخل دیتے ہو۔ حضرت عمرؓ اس جواب سے افسردہ ہو کر خاموش ہو گئے۔

ایک دفعہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں خدمتِ نبویؐ میں حاضر ہوئے۔ دیکھا کہ بیچ میں آپؐ ہیں اور اِدھر اُدھر بیویاں بیٹھی ہیں اور مصارف کی مقدار بڑھانے پر مُصر ہیں۔

[آپؐ اس وقت فکر مند اور خاموش تھے۔ (راوی کا بیان ہے) حضرت عمرؓ نے اپنے دل میں کہا کہ میں کوئی ایسی بات کہوں جس سے نبی کریمؐ ہنس پڑیں۔ آخر انھوں نے کہا: یا رسول اللہؐ اگر بنتِ خارجہ [میری بیوی] مجھ سے زیادہ خرچ مانگے تو میں کھڑے ہو کر اس کی گردن مروڑ دوں۔ رسول اللہؐ یہ سن کر ہنس پڑے، اور فرمایا: یہ عورتیں جو میرے گرد بیٹھی ہیں، مجھ سے زیادہ خرچ مانگ رہی ہیں! یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر حضرت عائشہؓ کی گردن پر ہاتھ مارا، اور حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر حضرت حفصہؓ کی گردن پر۔ دونوں نے کہا: تم رسول اللہؐ سے وہ مانگتی ہو جو آپؐ کے پاس نہیں۔] انھوں نے عرض کی، ہم آئندہ کبھی بھی آنحضرتؐ کو زائد مصارف کے لیے تکلیف نہ دیں گے۔

دیگر ازواج اپنے مطالبہ پر قائم رہیں۔ اتفاقاً اسی زمانہ میں آپؐ گھوڑے سے گر پڑے، پہلوئے مبارک میں ایک درخت کی جڑ سے خراش آگئی۔ حضرت عائشہؓ کے حجرہ سے متصل ایک بالا خانہ تھا، جو گویا ان گھروں کا توشہ خانہ تھا، آنحضرتؐ نے یہیں قیام فرمایا، اور عہد کیا کہ ایک مہینہ تک ازواج مطہراتؓ سے نہ ملیں گے۔ منافقین نے مشہور کر دیا کہ آپؐ نے بیویوں کو طلاق دے دی۔ صحابہؓ مسجد میں جمع ہو گئے، گھر گھر ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، ازواجِ مطہراتؓ رو رہی تھیں۔ صحابہؓ میں سے کسی نے خود آپؐ سے واقعہ کی تحقیق کی جرات نہ کی۔

حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو وہ مسجدِ نبویؐ میں آئے۔ تمام صحابہؓ ملول اور چپ تھے۔ حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں باریابی کی اجازت چاہی، دو بار کوئی جواب نہ ملا، تیسری دفعہ اجازت ہوئی۔ دیکھا کہ آنحضرتؐ ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہیں، جسم مبارک پر بان سے بدھیاں پڑ گئی ہیں۔ ادھر ادھر نظر اٹھا کر دیکھا تو رحمتِ عالمؐ کے توشہ خانہ میں چند مٹکے برتن اور چند سوکھی مشکوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ یہ دیکھ کر ان کی آنکھیں بھر آئیں، اور عرض کی، یا رسول اللہؐ! کیا آپؐ نے بیویوں کو طلاق دے دی۔ ارشاد ہوا، نہیں۔ عرض کی، میں یہ بشارت عام مسلمانوں کو نہ سنا دوں۔ اجازت پا کر زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔

یہ مہینہ ۲۹ روز کا تھا۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں، میں ایک ایک روز گنتی تھی۔ ۲۹ دن ہوئے تو آپؐ بالا خانہ سے اتر آئے۔ سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لے گئے۔ انھوں نے عرض کی، یا رسول اللہؐ، آپ نے ایک مہینہ کے لیے عہد فرمایا تھا۔ ابھی تو انتیس ہی دن ہوئے

ہیں۔ ارشاد ہوا' مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔

تخییر

[اللہ تعالیٰ نے ازواجِ مطہرات کو دنیوی سازو سامان لے کر رخصتی کا اختیار دیا' تو] آپؐ سب سے پہلے حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عائشہ' میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں' اس کا جواب اپنے والدین سے مشورہ کر کے دینا۔ عرض کی' ارشاد فرمایئے۔ آپؐ نے آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ گذارش کی کہ یا رسول اللہؐ' میں کس امر میں اپنے والدین سے مشورہ لوں۔ میں خدا اور اس کے رسولؐ کو اختیار کرتی ہوں۔ یہ جواب سن کر آپؐ کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں ہوئے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی "یارسول اللہؐ' میرا جواب دوسری بیویوں پر ظاہر نہ ہو"۔ ارشاد ہوا کہ میں معلم بن کر آیا ہوں' جابر بن کر نہیں آیا۔

ایک جلیل القدر ماں

شاہ بلیغ الدین

ریشمی کپڑوں کے تھان کے تھان آگے پڑے تھے۔ ایک سے ایک خوبصورت' ایک سے ایک نفیس کپڑا سامنے رکھا تھا۔ عراق میں اس سے بہتر کپڑا نہ مل سکتا تھا' عراق سے بہتر کپڑا عرب میں کسی اور جگہ نہ ملتا تھا۔ شاہانِ کسریٰ کا پایہ تخت مدائن عراق ہی میں تھا' عراق عجم میں۔ اس لیے چین سے' مصر سے' بھارت اور قسطنطنیہ سے' ایک سے ایک اچھا کپڑا عراق کے بازاروں میں آتا تھا۔ اس بازار کے نفیس ترین کپڑے خرید کر بیٹا اپنی ماں کے لیے لے آیا۔ ماں کون ؟ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ' حضرت زبیر بن عوامؓ کی شریکِ حیات۔

روپے پیسے کی افراط تھی۔ کنیزوں اور غلاموں کا پرے کا پرا گھر میں موجود تھا۔ ڈھیر سارے کپڑے ماں کے سامنے پڑے تھے۔ بیٹے کی طلبی ہوئی۔ بیٹے منذر بن زبیرؓ حاضر ہوئے۔ یہ عبد اللہ بن زبیرؓ سے چھوٹے تھے۔ حضرت اسماءؓ نے پوچھا' یہ کیا ہے ؟ بیٹے نے کہا' اماں' یہ آپ کے لیے ہیں۔ ماں نے ایک ایک کپڑا ہاتھ میں لیا' کپڑوں کی قیمت اور نفاست کا اندازہ لگایا' ان کی خوبیاں معلوم کیں۔ ایک ایک کر کے سارے کپڑے اللہ کی راہ میں دے دیے۔ ایک بھی کپڑا' کپڑے کا ایک ٹکڑا بھی اپنے پاس نہ رکھا۔

فرمانبردار بیٹا سامنے کھڑا دیکھتا رہا۔ وقت کا بہترین کپڑا ماں نے غریبوں میں تقسیم کر دیا۔ ماں کے چہرے پر خفگی کے آثار تھے۔ برہمی کا اظہار الفاظ سے بھی ہوا۔ منذر الٹے پاؤں گئے' مدینے کے بازار سے کچھ موٹا جھوٹا کپڑا لے آئے' اور ماں کے سامنے رکھا۔ یہ کپڑا ایسا تھا کہ محتاج غریب پہنا کرتے تھے۔ ماں نے بڑی خوشی سے یہ تحفہ اپنے لیے قبول کر لیا۔ بیٹے کو دعائیں دیں۔ طبقات ابنِ سعد میں ہے' بیٹے سے کہا' مجھے ایسے ہی کپڑے پہنایا کرو۔

ایک بار حضرت اسماءؓ نے اپنی کچھ زمین فروخت کی۔ ایک لاکھ درم میں یہ زمین فروخت

ہوئی۔ رقم آئی تو سب کی سب خدا کی راہ میں بانٹ دی۔ ابنِ سعد ہی نے لکھا ہے کہ شہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا کہ 'جہاں تک ممکن ہو سکے تھیلی کا منہ باندھ کر نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تمہیں باندھ کر دے گا! حضرت اسماءؓ اسی لیے کثرت سے خیرات کرتی تھیں۔ مال و دولت' جاہ و ثروت کی کوئی کمی نہ تھی' لیکن زندگی نہایت سادہ تھی۔ جس گھر سے بیسیوں لوگ پلتے تھے' اس کی مالکن کا یہ حال تھا کہ سوکھی روٹی کھاتی تھیں اور صبح و شام پانی پی کر اللہ کا شکر ادا کرتی تھیں۔ لوگ پوچھتے' اللہ نے اتنی فراغت دے رکھی ہے' اچھے سے اچھا کھایئے' بہتر سے بہتر پہنئے۔ آپ رکتی کیوں ہیں؟ جواب دیتیں کہ' خود اپنے آرام پر خرچ کرنے سے کہیں اچھا مجھے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں دوسروں پر خرچ کروں' رشتہ داروں میں غریب نادار بھی ہیں' پڑوسیوں میں مفلس اور محتاج بھی ہیں۔ اپنی جان کو کیا دیکھوں' اللہ تعالیٰ نے تو ان سے حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے۔ کوئی زیادہ مجبور کرتا تو کہتیں کہ' یہ دولت تو چار دن کی ہے۔ اسلام کی سادگی وہ دولت ہے جسے میں کبھی ہاتھ سے جانے نہ دوں گی۔

نظر میں شہِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تھی۔ کیا کچھ میسر نہ تھا۔ دس لاکھ مربع میل کے رقبے پر حکومت تھی' لیکن کملی والا تو ہمیشہ کملی والا ہی رہا۔ سنتِ نبویؐ پر چلنے کی ایسی شدید تڑپ دل میں تھی کہ اور کسی بات سے خوشی ہوتی ہی نہ تھی۔

حضرت اسماءؓ حضرت عائشہؓ سے دس برس بڑی تھیں۔ حضرت عائشہؓ سوتیلی بہن تھیں۔ حضرت اسماءؓ اس وقت مسلمان ہوئیں جب صرف سترہ آدمی ایمان لے آئے تھے۔ خود گھر میں یہ حال تھا کہ ماں بھی مشرکہ تھیں۔ بہت زمانے تک مشرک رہیں۔ لیکن بیٹی کا دل خدا نے آئینہ بنایا تھا۔ باپ کو جو والہانہ عقیدت حضور اکرمؐ کی ذات گرامی سے تھی وہی بیٹی کے حصے میں بھی آئی تھی۔

ہجرت کے بعد ایک بار ماں' قتلہ یا قتیلہ' بیٹی کے پاس آئیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان سے علاحدگی اختیار کر لی تھی کیونکہ انھوں نے اسلام قبول نہ کیا تھا۔ ماں کو بیٹی نے گھر میں آرام سے بٹھایا۔ ماں اپنے ساتھ بیٹی کے لیے منقہ' گھی اور چھال کے تحفے بھی لے آئی تھیں۔ سب کو ایک جگہ رکھا' فوراً اندر گئیں' اور ایک کنیز کو حضرت عائشہؓ کے پاس بھیجا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کہ اس موقع پر میں کیا کروں؟ ماں کی محبت بیٹی کے دل میں انگڑائیاں لے رہی تھی۔ آسودگی تھی' فراغت تھی' برسوں بعد ماں سے ملنا نصیب ہوا تھا۔ جی چاہتا تھا ہر ممکن خدمت کریں' بہتر سے بہتر سلوک کریں۔ لیکن ایک محبت اس سے بھی زیادہ

تھی جو اس سعادت مندی کے دھارے کو اور خون کے جوش کو روکے ہوئے تھی۔ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت تھی! اس وقت ذہن میں صرف یہ کشمکش تھی کہ ماں مشرک ہے' پتا نہیں اللہ پاک ان کی خدمت کی اجازت دیتا بھی ہے یا نہیں۔ کاش یہ اجازت مل جائے تو اپنی ماں کے لیے دل چیر کر رکھ دوں!

حضرت عائشہؓ کے پاس سے کنیز لوٹی۔ پیام لے آئی۔ بخاری کی روایت ہے۔ حضور اکرمؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا مطلب کچھ یوں تھا: ماں کے تحفے قبول کر لو۔ انھیں اپنے گھر مہمان رکھو۔ ماں کافر بھی ہو تو ماں کا احترام ملحوظ رکھو۔ ماں باپ کی خدمت نیکی ہی نیکی ہے۔ کسی صورت میں بھی ان سے لاپروائی نہ برتو۔ سورہ ممتحنہ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تم کو ان ہی لوگوں سے دوستی کرنے کو منع کرتا ہے جو تم سے دین کے بارے میں لڑیں۔

حضرت اسماءؓ نے اپنی ماں کو مہمان رکھا' شب و روز ان کی خدمت کی' اور جب وہ جانے لگیں تو بہت کچھ ان کے ساتھ کیا۔ یہ ماں کی محبت کا بھی ثبوت تھا اور اللہ و رسولؐ کی محبت کا ثبوت بھی!

حضرت اسماءؓ ذات النطاقین کہلاتی تھیں کیونکہ ان کے کمر کے پٹکے سے' جسے انھوں نے بیچ میں سے پھاڑ دیا تھا' مدینے کو ہجرت کرنے والے مہاجر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفیق دمِ ہجرت صدیق اکبرؓ کا توشہ اور مشکیزہ باندھا گیا تھا۔ نطاق کمر کے پٹکے ہی کو کہتے ہیں۔ ان کی پرہیزگاری کے بھی دور دور چرچے تھے اور فیاضی کی بھی بڑی شہرت تھی۔ حضرت عمرؓ نے ایک ہزار دینار سالانہ کا وظیفہ مقرر کیا تھا۔ بیٹے جو کچھ دیتے تھے ان کے ساتھ یہ بھی اللہ کی راہ میں خرچ ہو جاتا تھا۔

اونچا پورا قد' بھاری بھرکم جسم' آنکھوں سے بالکل سجھائی نہیں دیتا تھا' لیکن حیرت کی بات تھی کہ آخر وقت تک حضرت اسماءؓ کے دانت سلامت تھے۔ چہرے کی جھریاں اور بالوں کی سفیدی کہے دیتی تھی کہ تین نسلیں ان کے سامنے بوڑھی ہو چکی تھیں۔ حضرت اسماءؓ ہجرت سے ستائیس سال پہلے پیدا ہوئیں اور بنی امیہ کے پانچویں حکمران عبد الملک بن مروان کے زمانہ حکومت تک زندہ رہیں۔ اس وقت ہجرت کو ۷۳ برس گزر چکے تھے اور یہ محترم خاتون پورے سو برس کی ہو چکی تھیں۔

حضرت اسماءؓ بڑی فرماںبردار بیٹی تھیں۔ یہی رنگ تھا جو ان کی اولاد پر بھی چڑھا ہوا تھا۔ اولاد کی ایسی عمدہ تربیت انھوں نے کی تھی کہ بہت کم مائیں اس کی برابری کر سکتی ہیں۔ اس تعلق

سے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی شہادت کا واقعہ تاریخ میں یادگار ہے۔

اس زمانے میں اسلامی مملکت کے دو خلیفہ تھے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور عبد الملک بن مروان۔ ایک میان میں دو تلواریں کبھی نہیں سماتیں۔ دو بادشاہ بھی ایک مملکت پر حکمرانی نہیں کر سکتے۔ حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ اور عبد الملک بن مروان میں ٹھن گئی۔ دونوں چاہتے تھے کہ دوسرا باقی نہ رہے۔

عبد الملک نے اپنی شامی فوجیں مکہ بھیجیں جو حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی حکومت کا صدر مقام تھا۔ یہ ۷۳ ہجری کی بات ہے۔ حرمِ کعبہ کے اطراف فوجیں پڑاؤ ڈالے ہوئی تھیں۔

کئی دن سے لڑائی ہو رہی تھی۔ آفت کا مرحلہ تھا' قیامت کا سماں! ہر ایک مرحلے سے ابنِ زبیرؓ مردانہ وار گزر رہے تھے۔ ایک ایک کر کے ساتھی ٹوٹتے جا رہے تھے' رفیق چھوٹتے جا رہے تھے' لیکن شجاعت کا یہ منہ بولتا پیکر سات مہینوں سے حجاج کو اپنی تلوار کی نوک پر رکھے ہوئے تھا۔ مقابل کی تعداد زیادہ تھی' سازو سامان بھی زیادہ تھا' کمک پر کمک دمشق سے آتی جارہی تھی' رسد کی کمی تھی نہ دام و درم کی۔ ابنِ زبیرؓ دن بدن حالات سے تنگ ہوتے جا رہے تھے۔

ایک روز ماں کے پاس آئے۔ ماں مسجدِ حرام میں بیٹھی تھیں۔ یادِ خدا میں مصروف تھیں۔ بیٹے نے سلام کیا۔ ماں کا حال پوچھا' پھر اپنی مصیبتوں کا ذکر کیا۔ ماں نے کہا' بیٹا چاہتے کیا ہو؟ ابنِ زبیرؓ نے ادب سے کہا' اماں' کیا ان حالات میں صلح کر لینا مناسب نہیں؟ صلح و جنگ تو سیاست کے کھیل ہیں۔ ماں بے چاری' وہ بھی اتنی بوڑھی' ان پیچوں کو کیا جانے۔ جوڑ توڑ' حرص و ہوا سے یہ شخصیت بہت اونچی تھی۔ ماں کو تو اولاد کی تربیت سے غرض ہوتی ہے۔ ان کی سیرت و کردار پر اس کی نظر ہوتی ہے۔ بیٹا' بیٹا ہے' چاہے کسی عمر کو پہنچ جائے' کسی مرتبے پر فائز ہو۔ حضرت اسماءؓ بھی ماں تھیں۔ حق گو! حق پرست! استیعاب میں ہے' بولیں' بیٹے' مجھے تو ایک ہی بات معلوم ہے۔ عزت کے ساتھ کٹ جانا ذلت کے ساتھ تاج پہننے سے بہتر ہے۔ آگے تم جانو تمہارا کام۔ میری دعائیں تو ہر وقت یہی ہیں کہ ہر حال میں تمہاری ہمت بندھی رہے۔ حوصلہ کبھی گرنے نہ پائے۔ راہ کی مشکلات کا کیا ہے' آتی اور جاتی رہتی ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ابنِ زبیرؓ میدانِ کارزار میں ڈٹے رہے۔

لڑائی کی بھٹی سلگ رہی تھی۔ سازشوں کے جال بچھے ہوئے تھے۔ اپنے پرائے ہو رہے تھے۔ دوست دغا دے رہے تھے۔ ابن زبیرؓ نے سنا' ماں کی طبیعت خراب ہو گئی ہے' بیمار پڑ گئی ہیں۔ قدم بوسی کے لیے آئے۔ پوچھا' اماں کیا حال ہے؟ بولیں' جسم پھنکا جا رہا ہے' سخت تکلیف

ہے۔ ابنِ زبیرؓ پریشانیوں سے گزر رہے تھے۔ ان کے بارے میں سوچتے سوچتے بولے' اماں اس دنیا میں آرام کہاں ؟ اسد الغابہ میں ہے' حضرت اسماءؓ نے کہا' ہاں بیٹا' ٹھیک ہے' لیکن میں دن رات دعا کرتی ہوں کہ اچھی ہو جاؤں۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتی۔ میری تمنا یہ ہے کہ تم لڑ کر شہید ہو' اور میں صبر کروں۔ یا تم کامیاب ہو' اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ پھر میں مرجاؤں۔

ابن زبیرؓ ماں کے پاس سے لوٹے تو پھر میدان جنگ سے نہ لوٹے۔ یہ ان کی زندگی کا آخری معرکہ تھا۔ مردانہ وار لڑ کر تاجِ شہادت پہن لیا۔

ابنِ زبیرؓ کی لاش کو شہر کے بیچوں بیچ الٹا لٹکا دیا گیا۔ یہ اس شخص کی لاش تھی جو کل تک خلیفہء وقت تھا۔ بیٹے کی شہادت کو تین دن گزرے' تو ماں بخار میں پھنکتی' کنیز کو ساتھ لے کر' بازار گئیں۔ اس جگہ پہنچیں جہاں بیٹے کی لاش ابھی تک لٹک رہی تھی۔ بے اختیار زبان سے نکلا' کہ ---- شہسوار ابھی اترا نہیں ! حجاج کی آدمی اسے بات بات کی اطلاع دیتے تھے۔ یہ اطلاع بھی اسے بھیج دی۔ اس نے فوراً آدمی دوڑائے۔ قاصد نے آکر اسماءؓ سے کہا' چلیے آپ کو امیر نے بلایا ہے۔ جواب ملا' میں نہیں جانا چاہتی۔ قاصد نے جواب پہنچا دیا۔ دوسرا قاصد بولا' سیدھی طرح چلیے ورنہ حکم ہے کہ زبردستی لایا جائے۔ ڈانٹ کر کہا' جاؤ' اسے بتا دو کہ میں کسی حال میں بھی نہیں جاؤں گی۔ سپاہیوں نے پیغام پہن دیا تو کچھ سوچ کر خود حجاج ان کے پاس چلا آیا' اور ماں سے بیٹے کے بارے میں بولا' تم نے اسے دیکھا کہ دشمنِ خدا کا میں نے کیا حال کیا ؟ ---- اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی ---- حضرت اسماءؓ بھڑ گئیں۔ صحیح مسلم میں ہے۔ انھوں نے کہا' تو نے اس کی دنیا بگاڑی ' اس نے تیری عاقبت خراب کی۔

حجاج کو خیریت اسی میں نظر آئی کہ وہاں سے نکل جائے۔

لاش وہیں لٹکی رہی۔ کئی دنوں تک۔ پھر عبد الملک کا حکم آیا' اب اسے اتار پھینکو۔ حجاج نے گلی سڑی نعش کو یہودیوں کے قبرستان میں پھنکوا دیا۔

حضرت اسماءؓ نے سنا تو لاش وہاں سے منگوائی۔ ابنِ زبیرؓ کا جوڑ جوڑ الگ ہو رہا تھا۔ جہاں ہاتھ لگایا جاتا وہی حصہ ٹوٹ کر ہاتھ میں آجاتا۔ جوں توں کر کے ماں نے کفن دیا' جنازے کی نماز پڑھی' اور سپرد خاک کیا۔ لوگ کہتے ---- بڑے حوصلے کی خاتون ہیں۔ انھیں دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ صابر و شاکر کسے کہتے ہیں' اپنے ہاتھوں اپنے سینے پر پتھر کی سل کس طرح رکھی جاتی ہے۔

اس واقعے کو ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت اسماءؓ' اللہ کو پیاری ہوئیں۔

(زیرِ ترتیب تصنیف بزمِ الف لام میم کا ایک باب)

حسن ترابی

سوڈان میں نئی سیاسی حکمتِ عملی کے معمار

محمد ایوب منیر

سوڈان کی اخوان المسلمون نے اپنی تنظیم اور سیاسی حکمت عملی میں' اپنے حالات کے لحاظ سے' دور رس تبدیلیاں کیں' جن کے نتیجہ میں انھوں نے بریگیڈیئر عمر حسن البشیر کے فوجی انقلاب (۱۹۸۹) کے بعد ملک کے نظامِ حکومت میں کلیدی کردار حاصل کر لیا ہے۔ یہ ان کے نزدیک اسلامی انقلاب کی راہ میں ایک اہم پیش رفت ہے۔ انھیں یقین ہے کہ اس طرح وہ بالآخر سوڈان کو ایک اسلامی ریاست بنا دیں گے۔ جو تبدیلیاں آئی ہیں اور جو کچھ پیش رفت ہوئی ہے' وہ اخوان کے سربراہ' ڈاکٹر حسن ترابی کی فکر' حکمتِ عملی اور جدوجہد کی مرہون منت ہے' جس کا جائزہ ڈاکٹر عبدالوہاب آفندی نے اپنی کتاب: **Turabi's Revolution - Islam and Power in Sudan** میں لیا ہے۔ اس کتاب کے بعض مباحث کا خلاصہ قارئین کے لیے دلچسپی کا باعث ہو گا۔

ابتدائی زندگی

ڈاکٹر حسن عبد اللہ ترابی ۱۹۳۲ میں حنتوب میں پیدا ہوئے۔ وہ سوڈان کے معروف مصلح مہدی سوڈانی کے نواسے ہیں۔ ان کے والد شیخ عبد اللہ ترابی' فقہ کے ممتاز عالم اور صوبے کی سب سے بڑی عدالت کے جج تھے۔ ابتدائی تعلیم کے بعد انھوں نے خرطوم یونیورسٹی کے شعبہ قانون میں داخلہ لیا۔ وہیں وہ اخوان المسلمون کی طلبہ تحریک' اسلامک لبریشن موومنٹ کے ذریعے شیخ حسن البنا اور سید قطب کی دعوت سے روشناس ہوئے۔ ۱۹۵۴ میں وہ اس تنظیم کی یونیورسٹی برانچ کے سربراہ بھی بن گئے۔

۱۹۵۵ میں وہ آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم اے کرنے کے لیے برطانیہ چلے گئے۔ اس کے بعد ۱۹۵۹ میں انھوں نے قانون کی اعلیٰ تعلیم کے لیے' فرانس میں سوربون یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ وہاں سے قانون میں

ڈاکٹریٹ کرنے کے بعد وہ ۱۹۶۴ میں وطن واپس آئے۔ جلد ہی وہ خرطوم یونیورسٹی میں شعبہ قانون کے سربراہ بن گئے۔

وطن واپس آنے کے بعد ڈاکٹر ترابی نے اخوان المسلمون میں سرگرمی سے کام کرنا شروع کر دیا۔

اخوان المسلمون

امام حسن البناؒ نے مصر میں اخوان المسلمین کی بنیاد ۱۹۲۸ میں رکھی، اور ۱۹۴۰ کے عشرہ ہی میں ان کی دعوت سے متاثر ہو کر سوڈان میں بھی اخوان منظم ہونا شروع ہو گئے۔ اسلامک لبریشن موومنٹ کے نام سے طلبہ کی تنظیم قائم ہوئی جو اخوان کا مضبوط بازو تھی۔ ۱۹۴۸ میں اس طلبہ تنظیم نے سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں کو شکست دے کر گارڈن میڈیکل کالج (بعد ازاں خرطوم یونیورسٹی) کے انتخابات واضح اکثریت سے جیت لیے۔

۱۹۵۴ میں سوڈانی اخوان نے مصری اخوان سے تنظیمی طور پر ایک آزاد ڈھانچہ استوار کیا۔ الرشید الطاہر اس کے امیر مقرر ہوئے۔ اور ۱۹۵۵ میں، جب ڈاکٹر حسن ترابی اعلیٰ تعلیم کے لیے برطانیہ گئے، اخوان المسلمون نے اسلامی جماعتوں کا ایک ڈھیلا ڈھالا اتحاد بنانے میں کامیابی حاصل کر لی۔ اخوان نے ان جماعتوں کو اس بات پر متفق کر لیا کہ ۱۹۵۶ میں سوڈان کی متوقع آزادی کے بعد ملک کا دستور اسلامی اصولوں پر مبنی ہو گا۔ اخوان کے قائم کردہ اس سیاسی اتحاد کا نام "اسلامی دستور فرنٹ" تھا، اور اخوان کو اس میں مرکزی اہمیت حاصل تھی۔ سوڈان کی ایک بڑی جماعت، صادق المہدی کی نیشنل یونینسٹ پارٹی بھی اس کی ممبر تھی۔ لیکن ملک کی آزادی کے بعد اسلامی دستور کے لیے کوئی اقدام نہ کیا گیا۔ ۱۹۵۸ میں جب ملک کے پہلے انتخابات ہوئے، تو اخوان نے فیصلہ کیا کہ جو لوگ اسلامی دستور کے لیے حمایت کا اعلان کریں گے، ان کے خلاف نمائندے کھڑے نہ کیے جائیں۔ گویا اخوان نے براہِ راست انتخابات میں حصہ لینے کی بجائے ایسے لوگوں کو کامیاب کرنے کی حکمتِ عملی اختیار کی جو اسلامی دستور کے لیے کام کر سکیں۔

۱۹۵۸ میں ہی جنرل ابراہیم عبود کی سربراہی میں فوج نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ اخوان نے، جس نے وطن کی آزادی کے لیے دیگر پارٹیوں کے شانہ بشانہ جدوجہد کی تھی، فوجی حکومت کو ناپسند کیا۔ فوجی حکومت نے سیاسی جماعتوں پر پابندی عائد کر دی، تو اخوان نے الابلاغ کے نام سے کام جاری رکھا۔ اخوان، امہ پارٹی اور نیشنل ڈیموکریٹک پارٹی نے فوجی انقلاب کے ذریعہ بھی فوجی حکومت کو ہٹانے کی کوشش کی، لیکن یہ کوشش ناکام رہی۔

اس دور میں اخوان کی سرگرمیوں پر نظر ڈالنے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ سیاسی حکمتِ عملی کے طور پر سوڈان کے اخوان نے شروع سے دوسری جماعتوں کے ساتھ وسیع تر سیاسی اتحاد اور اسلامی

دستور کے لیے جدوجہد کا راستہ اختیار کیا۔

ترابی اور تنظیم

جب ۱۹۶۲ میں ڈاکٹر ترابی فرانس سے وطن واپس لوٹے' ملک میں فوجی حکومت قائم تھی' اور اخوان شیخ حسن البنا اور سید قطب کے طے کردہ راہنما خطوط اور تنظیمی ڈھانچے کی بنیاد پر آہستہ آہستہ اپنی دعوت پھیلا رہے تھے۔ ان کی غیر معمولی صلاحیتوں کی بنا پر فوراً ہی انھیں اخوان المسلمون کی دستور ساز کمیٹی کا ممبر بنا لیا گیا۔ انھوں نے مجلس کے سامنے جو مباحث اٹھائے' اور جو تجاویز پیش کیں ان سے ان کی مستقبل کی فکر اور حکمتِ عملی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر ترابی نے مجلس کے سامنے بنیادی سوال یہ رکھا کہ آیا اخوان کو ایک پریشر گروپ کے طور پر کام کرنا ہے' یا سیاسی جماعت کے طور پر جمہوری ذرائع اختیار کر کے تحریک کو عوام تک' اور بعد ازاں اقتدار تک پہنچانا ہے۔ ان کی اپنی تجویز یہ تھی کہ تحریک کو بحیثیت پارٹی ختم کر دیا جائے' برطانیہ کی فیبن سوسائٹی کی طرز پر فکری پریشر گروپ کی حیثیت اختیار کر لی جائے۔ دانشوروں کا یہ گروپ ملک کی تمام سیاسی جماعتوں اور مذہبی گروہوں میں اثر و نفوذ پیدا کرے۔ مجلس نے ان کی یہ تجویز رد کر دی۔

اس کے بعد انھوں نے یہ تجویز کیا کہ تحریک کے لیے جو بھی منصوبہ عمل بنایا جائے اس کی مدت دو سال ہو' جس کے بعد نیا منصوبہ بنایا جائے۔ اس تجویز کو قبول کر لیا گیا۔

تنظیمی حکمتِ عملی کے باب میں' ڈاکٹر ترابی نے مجلس کے سامنے پہلی اہم تجویز یہ پیش کی کہ مصری اخوان کی طرز پر ممبر سازی اور تحریک میں شمولیت کی جو شرائط ہیں ان کو ختم کر دیا جائے یا انھیں غیر معمولی طور پر نرم کر دیا جائے۔ مجلس نے ان کی اس تجویز کو اس بنیاد پر رد کر دیا کہ اس طرح اسلامی تحریک کا وجود ختم ہو جائے گا۔

انھوں نے دوسری اہم تجویز یہ پیش کی کہ تنظیمی اجلاسوں' فیصلوں اور کارکردگی کی رپورٹوں کے بارے میں شدید اخفا کی پالیسی کو ترک کر دیا جائے۔ لیکن یہ تجویز بھی رد کر دی گئی۔

سیاسی جدوجہد کے لیے' انھوں نے اخوان کی ماضی کی سیاسی حکمتِ عملی کے مطابق 'اسلامک چارٹر فرنٹ کے نام سے دیگر جماعتوں کا اتحاد بنانے کی تجویز دی۔ مجلس نے اسے قبول کر لیا۔ ڈاکٹر ترابی کو ۱۹۶۴ میں اس فرنٹ کا سیکرٹری جنرل بنا دیا گیا۔ یہ وہ مرحلہ تھا جب اخوان المسلمون سوڈان کے اس وقت کے سربراہ الرشید الطاہر نئی پالیسیوں کے سبب فرنٹ سے علیحدہ ہو گئے۔

اخوان کی سیاسی جدوجہد

اخوان نے شروع سے وسیع تر سیاسی اتحاد کے ذریعے پیش رفت کی حکمتِ عملی اختیار کی تھی۔ ۱۹۵۵ میں انھوں نے اسلامی دستور کے لیے مختلف جماعتوں کا اتحاد بنایا۔ ۱۹۵۸ میں پہلے قومی انتخابات میں اخوان نے سب سے بڑی پارٹی یعنی امہ پارٹی کے ساتھ انتخابی اتحاد کیا اور نیشنل فرنٹ تشکیل دیا۔ ۱۹۵۹ میں اس نے امہ پارٹی اور خاتمیہ پارٹی اور قومی جمہوری پارٹی کے ساتھ مل کر جنرل ابراهیم عبود کی حکومت کے خاتمہ کی کوشش کی۔ اگرچہ ۱۹۵۹ میں حزب اختلاف کی جماعتوں کا جو اتحاد بنا اخوان نے اس میں بوجوہ شمولیت اختیار نہ کی۔

۱۹۶۴ میں اخوان نے جو اسلامک چارٹر فرنٹ بنایا' اس میں انصار السنہ' صوفی گروہوں اور علما کی چھوٹی چھوٹی پارٹیوں نے شمولیت اختیار کی۔ اس فرنٹ نے ۱۹۶۵ کے انتخابات میں ۱۰۰ نمائندے نامزد کیے۔ اس میں سے فرنٹ نے سات سیٹیں جیتیں۔ ان میں سے ایک سیٹ ڈاکٹر ترابی کی تھی۔ فرنٹ کے انتخابی نعرے اور منشور اسلامی نظام کے نفاذ' معیشت کی اصلاح' جنوب کے مسئلے کے حل' پارلیمانی جمہوریت اور بدعنوانی سے پاک حکومت کے قیام پر مشتمل تھے۔

انتخابات کے بعد امہ پارٹی نے حکومت بنائی اور اخوان نے اپوزیشن پارٹی کی حیثیت اختیار کی۔ دو سال بعد صادق المہدی کی کابینہ کی برطرفی کے بعد ۱۹۶۷ میں پھر انتخابات ہوئے۔ ان انتخابات میں فرنٹ نے امہ پارٹی' جمہوری وطن پارٹی اور ڈیمو کریٹک یونینسٹ پارٹی میں سے کسی کے ساتھ مفاہمت نہ کی۔ ۱۹ نمائندے کھڑے کیے گئے' مگر اس مرتبہ صرف پانچ نشستوں پر کامیابی ہوئی۔ ڈاکٹر ترابی بھی اپنی نشست پر ہار گئے۔ یوں محسوس ہونے لگا کہ فرنٹ اپنی مقبولیت کھو رہا ہے۔

اس مرحلہ پر اخوان راہنما' محمد صالح عمر نے ڈاکٹر ترابی کی پالیسیوں کو شدید ہدفِ تنقید بنایا' اور ان کے خلاف زبردست پروپیگنڈہ کیا۔ تنقید کرنے والے گروہ نے اپنے آپ کو تعلیمی گروہ اور ڈاکٹر ترابی کے ہم خیالوں کو سیاسی گروہ کا نام دیا۔

۱۹۶۹ میں جعفر نمیری کے فوجی انقلاب کے بعد فرنٹ نے اس کی مزاحمت کا فیصلہ کیا' اور اس مقصد کے لیے امہ پارٹی کے ساتھ مل کر نیشنل فرنٹ بنایا۔ جعفر نمیری نے اس مزاحمت کو کچل دیا' سیکڑوں افراد مارے گئے۔ ان میں محمد صالح عمر بھی شامل تھے۔ اس کے بعد فوجی حکومت کے خلاف جو بھی مظاہرے ہوئے یا مزاحمت ہوئی (۱۹۷۳' ۱۹۷۵ اور ۱۹۷۶) فرنٹ اس میں شامل رہا۔ تاہم فرنٹ اور امہ پارٹی کا اتحاد ۱۹۷۷ میں ٹوٹ گیا۔

۱۹۸۰ میں جب جعفر نمیری نے قومی سیاسی جماعتوں سے مصالحت اور تعاون کی اپیل کی تو دائیں بازو کی اسلامی جماعتوں کے اتحاد نے نمیری کی حکومت میں شمولیت کا فیصلہ کیا۔ ایک طویل عرصہ تک نمیری کی

فوجی حکومت کی مخالفت کے بعد' اس کے ساتھ مفاہمت اور اس کی حکومت میں شمولیت کا یہ فیصلہ حکمتِ عملی میں تبدیلی کا مظہر تھا۔ ڈاکٹر ترابی نے اس فیصلہ کے لیے اخوان کو قائل کیا۔ مارچ ۱۹۸۰ میں ڈاکٹر ترابی کو نمیری کی پارٹی کے سیاسی بیورو کا ممبر اور امورِ خارجہ کا مشیر بنا دیا گیا۔ ۱۹۸۳ میں جعفر نمیری نے اسلامی قوانین کے وسیع پیمانے پر نفاذ کا اعلان کیا تو فرنٹ نے کھلے بندوں اس کی حمایت کی۔ حکومت کے ساتھ تعاون کرنے کے نتیجے میں فرنٹ کے کچھ لوگ فرنٹ کو چھوڑ کر حکومت ہی کے ہو کر رہ گئے۔

سوڈان میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے ایک سال بعد ۱۹۸۴ میں فرنٹ نے بین الاقوامی اسلامی کانفرنس برائے نفاذ شریعت منعقد کی۔ اس میں دنیا بھر سے دو سو نمائندوں نے شرکت کی اور شریعت کے نفاذ کے لیے دس لاکھ افراد نے ڈاکٹر ترابی کی اپیل پر خرطوم کی سڑکوں پر مارچ کیا۔ نمیری کی گورنمنٹ کے ساتھ تعاون کے نتیجے میں اور فرنٹ کے مسلسل رابطے کے سبب اخوان المسلمون کو یہ فائدہ ضرور ہوا کہ فوج کے جوانوں اور افسروں میں ایک معقول تعداد ایسے لوگوں کی پیدا ہو گئی جو ڈاکٹر ترابی کے اسلامائزیشن کے پروگراموں سے اتفاق رکھتے تھے۔

نیشنل اسلامک فرنٹ کی تشکیل

۱۹۶۲ سے ڈاکٹر ترابی جس طرز کی تنظیم بنانا چاہتے تھے اور "وسعت" کے جس پروگرام پر عمل پیرا ہونا چاہتے تھے اس کا موقع انھیں ۱۹۸۵ میں مل گیا۔ انتخابات کے لیے انھوں نے نیشنل اسلامی فرنٹ (NIF) کی تشکیل کی' اور فرنٹ کی ممبر شپ کو ہر سوڈانی کے لیے کھول دیا گیا۔ اپریل ۱۹۸۶ کے قومی انتخابات میں فرنٹ نے ۲۳۶ سیٹوں پر مقابلہ کر کے ۵۱ سیٹیں حاصل کر لیں۔ اٹھائیس سیٹیں عمومی حلقوں سے اور تیئس سیٹیں گریجوئیٹس کے حلقہ انتخاب سے۔ نیو نیشنل امہ پارٹی نے ۱۰۰' ڈیموکریٹک یونینسٹ نے ۶۳ سیٹیں جیت کر اوّل اور دوم پوزیشن حاصل کر لی۔ فرنٹ نے ۱۸ء۴۶ فیصد ووٹ حاصل کیے' اسلامی قوانین کے نفاذ کے وعدے پر فرنٹ نے امہ پارٹی کے ساتھ تعاون کیا' اور امہ پارٹی نے حکومت بنائی۔

۱۹۸۹ میں بریگیڈیئر حسن عمر البشیر نے فوجی انقلاب برپا کیا۔ حسن البشیر کو اخوان المسلمون کی حمایت حاصل تھی' اور وہ بڑی حد تک اخوان کی فکر سے متفق تھے۔ اس لیے جب انھوں نے فرنٹ سے تعاون کی اپیل کی اور اسلامائزیشن کے ہر پروگرام پر عملدر آمد کا وعدہ کیا' تو فرنٹ نے ان سے تعاون کا فیصلہ کیا۔ یہ تعاون تاحال جاری ہے۔

انقلاب کا طریقِ کار

ڈاکٹر حسن ترابی نے "نیشنل اسلامک فرنٹ" کے ذریعے روایتی طریقِ کار میں نئی تبدیلیاں کیں۔

انھوں نے تحریک کے اندر جمہوری طریقوں کو رواج دیا۔ فرنٹ کی ممبرشپ کو عام کردیا گیا۔ تنظیمی فیصلوں کی وسیع پیمانے پر نشرو اشاعت کی جانے لگی۔ فیصلہ سازی کے لیے دو ادارے قائم کیے گئے۔ سیاسی مسائل سے نپٹنا' پولٹ بیورو کا کام تھا۔ ممبر سازی' مالیات' تنظیم اور ملحقہ امور' ایڈمنسٹریٹو بیورو کے حوالے کیے گئے۔ اجلاسِ عام' اجلاسِ شوریٰ' مرکزی انتظامیہ اور سیکرٹری جنرل کے چار ادارے تشکیل دیے گئے' اجلاسِ عام کے ذریعے تمام فیصلوں کی توثیق کی جاتی' اجلاسِ عام کے بعد شوریٰ کو اعلیٰ تر ادارہ بنایا گیا اور اسے اختیار دیا گیا کہ عدم اطمینان کی صورت میں سیکرٹری جنرل کو معطل یا برخواست کردے۔

تنظیم کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھانے کے لیے بھی راہیں تلاش کی گئیں۔ عوام الناس کی تعلیم و تربیت' خدمتِ خلق کے منصوبوں اور طب و صحت کے میدانوں میں جدوجہد کو تیز کیا گیا۔ خواتین کو بڑے پیمانے پر عملی جدوجہد میں شریک کیا گیا۔ اہل افراد کو حکومتی نظام میں اس طرح کھپایا گیا کہ وہ نظامِ حکومت چلانے کا تجربہ بھی حاصل کرتے چلے جائیں۔ جعفرالنمیری کی حکومت میں شرکت کرکے تحریکی لوگوں کو سرکاری مناصب پر کھپایا گیا تھا اور فرنٹ کے لوگوں نے عوام الناس کے دلوں میں گھر کرلیا تھا۔ اسلامی نظامِ زندگی کے حامی فوجیوں کے اندر نفوذ کیا گیا اور ان کا موثر گروہ تیار کیا گیا۔ لیکن یہ فوجی کبھی بھی اس پوزیشن میں نہ آسکے کہ خود فوجی انقلاب برپا کرسکیں یا برپا ہونے والے انقلاب کو روک سکیں۔ اصولاً یہ بات طے کرلی گئی کہ اسلامائزیشن کے لیے حکومت سے تعاون میں کوئی عار نہیں ہے۔

فرنٹ نے جنوبی سوڈان کے لوگوں کے مسائل پر ہمدردانہ غور کیا' مسیحی مبلغین اور امدادی اداروں کی یلغار کو روکنے کے لیے ایسوسی ایشن آف ساؤتھ مسلمز بنائی گئی۔ جنوب میں مسلمانوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے ان کی اعانت کی گئی۔ حتی المقدور غیر مسلموں سے تعاون بھی لیا گیا تاکہ وہ مملکت کے استحکام کے لیے کام کریں۔

ڈاکٹر ترابی نے ہر شخص میں یہ روح پھونکنے کی کوشش کی کہ ہم سب کو انفرادی طور پر اپنا کردار ادا کرنا ہے' شروع میں صرف دو ہزار مستقل ممبران اور پینتالیس ہزار غیر مستقل ممبران تھے۔ ڈاکٹر ترابی نے ہدف طے کیا کہ دو سال کے اندر اندر اس تعداد کو دس گنا کرنا ہے اور وہ اس میں کامیاب ہوئے۔

ڈاکٹر ترابی کے افکار

ڈاکٹر ترابی کی باقاعدہ تصانیف تو صرف دو ہیں: ۱۔ الصلوٰۃ عماد الدین ۲۔ الحرکۃ الاسلامیہ فی السودان التطور والکسب والمنہج' لیکن ان کے افکار و نظریات ان کی تقاریر' انٹرویو اور لیکچروں سے واضح ہیں۔ اخوان اور نیشنل اسلامک فرنٹ پر انھی کے افکار و نظریات کی چھاپ ہے۔

تجدید و احیائے دین: ان کی رائے میں اسلام کی تعلیمات پر انقلابی انداز سے غور و فکر کیا جانا چاہیے۔

ماضی کے اہلِ علم کی آرا قابلِ احترام ہیں' لیکن ان پر نظرِثانی کی جاسکتی ہے۔ تجدید' مذہب سے فرار کا نہیں بلکہ بدلتے ہوئے حالات اور تقاضوں کو سمجھ کر مسائل کا حل تلاش کرنے کا نام ہے۔

روایتی اسلامی قانون اور فقہ میں تغیرات کی ضرورت ہے' کیونکہ اس کے اندر ریاست اور عوام الناس کی شرکت نہیں رہی ہے۔ اجتہاد کا دروازہ کھول دیا جائے' نئے اصول و ضوابط وضع کیے جائیں' اسلام کے اصولوں اور تعلیمات پر کھلے عام بحث ہو۔ چند امور کو چھوڑ کر ہر ایک مسئلے پر اجتہاد کیا جاسکتا ہے۔

اسلامی نظام کا نفاذ: دورِ جدید میں اسلامی نظام جمہوریت سے ملتا جلتا ہو سکتا ہے' عالمی مروج نظاموں میں سے جو چیز دینِ اسلام سے نہ ٹکراتی ہو اس کو اختیار کیا جاسکتا ہے۔ اسلامی قوانین خصوصاً" حدود کا نفاذ صرف اور صرف اس معاشرے میں ہو جہاں اسلام کے دیگر قوانین پہلے نافذ ہو چکے ہوں۔ عوام الناس کی وسیع پیمانے پر شمولیت کے بغیر اسلامی نظام نافذ نہیں ہو سکتا۔ انتشار و افتراق سے بچا جائے۔

ماضی کے مسلمانوں کو super man سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس خیال کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ آج کے عامی مسلمان کو سامنے رکھ کر اسے جدوجہد میں شریک کیا جائے۔ اشتراکیت' جمہوریت' سرمایہ داری میں سے اگر اچھے اصول ملیں تو ان پر عملدرآمد میں کوئی حرج نہیں ہے۔

خواتین کا کردار: شریعت کی حدود کو مدنظر رکھتے ہوئے خواتین کو معاشرتی زندگی میں شریک کیا جائے۔ محض عورتوں اور مردوں کے آزادانہ میل جول کے خطرات کو سامنے رکھتے ہوئے انھیں عوامی اور مجلسی زندگی سے دور نہیں رکھا جاسکتا۔ عورتوں کو معاشرتی زندگی سے دور رکھنے کے فائدے کم اور نقصان زیادہ ہیں۔ عورت کا کام گھر سنبھالنا ہے' لیکن معاشرتی زندگی سے الگ تھلگ رہ کر وہ نسلِ نو کی تعلیم و تربیت کیسے کرے گی۔ معاشی دباؤ نے' خصوصاً" شہروں میں' انھیں ملازمتیں کرنے پر مجبور کر دیا ہے' اس لیے عورتوں کو اب گھروں میں محبوس نہیں رکھا جاسکتا۔ اگر عورتوں کو ہم ان کے معاشرتی حقوق نہ دیں گے تو مغرب کے لوگ ان کو غلط ہاتھوں کی طرف دھکیل دیں گے۔

آرٹ' فلم' تھیٹر: آرٹ' فلم' تھیٹر کو خدا کی عبادت کی طرف دعوت اور اسلامی نظام کی ترویج کے لیے استعمال کیا جائے۔ جہاد کی روح کو عام کرنے کے لیے شاعری' مصوری کے علاوہ ڈرامے کو استعمال کیا جائے۔ آرٹ اور اس کے مظاہر پر مغربی فلاسفہ اور مغربی اخلاق کی برتری اور بالادستی ختم کر دی جائے۔

انٹرنیشنل مسلم آرڈر: مسلمان ریاستیں دوسری ریاستوں کے ساتھ تعاون کریں' انصاف' مساوات اور امنِ باہم کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں کے اپنے عالمی ادارے' ایجنسیاں اور تنظیمیں ہوں۔ موجودہ عالمی اداروں کی جگہ مسلمانوں کے عالمی ادارے لے سکتے ہیں۔

غیر مسلموں سے تعاون: اسلامی ممالک غیر مسلم اقلیتوں سے حسنِ سلوک کریں کیونکہ ساری دنیا کی نگاہیں ان پر لگی ہوتی ہیں۔ سربراہِ مملکت کے علاوہ باقی سب عہدوں پر غیر مسلم اقلیت سے لوگ لیے جا سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ترابی کے خیالات کو عبد الوہاب آفندی نے اس طرح بیان کیا ہے:

"ڈاکٹر حسن ترابی نے جماعتِ اسلامی اور اخوان المسلمون کے Idealism سے باہر نکل کر ایسا انقلابی اور طاقتور گروہ تیار کیا جو اسلام کی وکالت کر سکے۔ انھوں نے فنڈا میٹلسٹ اور ریفارمسٹ کی تفریق کو ناپسند کیا اور ان دونوں کی خصوصیات کو جمع کرنے کا راستہ اختیار کیا۔

"ترابی جدت اور قدامت، عملیت اور نظریت، عقیدے اور تخمینے کا مجموعہ ہیں۔ کبھی ترابی عمل کی انتہائی ضرورت کو دیکھتے ہوئے اس کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے بعد اس کے وجوب کا جواز تلاش کرتے ہیں"۔

نیشنل اسلامک فرنٹ اور جماعتِ اسلامی پاکستان

ڈاکٹر حسن ترابی نے بانیِ جماعتِ اسلامی، سیّد ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی فکر سے فیضان حاصل کیا ہے۔ ڈاکٹر ترابی کا اقدام سیّد مودودیؒ کی فکر ہی کی بازگشت ہے۔ سیّد مودودیؒ نے باطل کے نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور حق کو غالب کرنے کے لیے ہر شعبہ ہائے زندگی میں تبدیلی کی دعوت دی اور اسی کا عکس سیّد قطبؒ کی تحریروں میں بھی ملتا ہے۔ مصنف کا خیال ہے کہ سیّد مودودیؒ اور سیّد قطبؒ کی بہ نسبت ڈاکٹر حسن ترابی کی رائے میں زیادہ لچک ہے، اور تبدیلیوں کو جذب کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتی ہے۔ ڈاکٹر ترابی نے حکومت کے نظام میں شامل ہو کر اسلامی نظام کے نفاذ کو حقیقت بنا دیا اور تھوڑے ہی عرصے میں اس کے نتائج برپا ہونے شروع ہو گئے۔ جماعتِ اسلامی اور اخوان المسلمون نے چند اصول ایسے بنا رکھے ہیں کہ ان پر نظرِ ثانی ہو سکتی ہے لیکن ان پر نظرِ ثانی نہیں کی گئی۔

تبصرہ

ڈاکٹر عبد الوہاب آفندی کی کتاب ڈاکٹر ترابی کی سوڈان میں بپا کردہ تبدیلیوں کا مفصل جائزہ ہے۔ اس موضوع پر اس سے بہتر کتاب ابھی تک سامنے نہیں آئی ہے۔ مصنف نہ صرف معاصر اسلامی تحریکوں کی فکر و جدوجہد سے خوب آشنا ہے بلکہ دیگر تحریکوں کا بھی ترابی کی فکر سے موازنہ کرتا ہے۔ کیونکہ کتاب ۱۹۸۶ میں لکھی گئی تھی اس لیے موجودہ حالات کے بارے میں معلومات نہ ہونا قابلِ فہم ہے۔ کتاب کے اندر ایک اور کمی یہ محسوس ہوتی ہے کہ ترابی کی فکر کو کامیاب بنانے میں جن حضرات نے ان کے ساتھ

کلیدی کردار ادا کیا ہے ان کا تذکرہ مفقود ہے‘ علاوہ ازیں جنوبی سوڈان میں عیسائیوں کی علاحدگی کی تحریک کے بارے میں تفصیلی معلومات فراہم کیا جانا ضروری تھا۔

جماعت اسلامی‘ اخوان المسلمون اور فرنٹ کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے مصنف کے ذہن کا جھکاؤ ڈاکٹر حسن ترابی کی "عملیت" کے حق میں ہے۔ وہ سید مودودیؒ اور سید قطبؒ کے افکار اور توانا دعوت کو "نظری" قرار دیتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ سید مودودیؒ اور سید قطبؒ نے جو ماڈل پیش کیے ہیں ان کی عملیت محتاجِ کلام نہیں۔

عورتوں کے پردے‘ عورتوں کے معاشرے میں سرِعام خدمات سرانجام دینے‘ تھیٹر‘ فلم‘ آرٹ اور مخلوط معاشرے کے بارے میں ڈاکٹر ترابی کی رائے سے مکمل اتفاق ممکن نہیں ہے‘ لیکن انھوں نے اپنے آرا کے حق میں مضبوط دلائل فراہم کیے ہیں۔

اسلامی تحریکیں: ماضی اور حال

معیشت و سیاست کے محاذ پر

خلیل احمد حامدی

مغربِ عربی میں

عرب مؤرخین جسے "مغربِ عربی" لکھتے ہیں اس سے مراد شمالی افریقہ کے ممالک ہیں۔ ان میں مراکش، الجزائر، تونس، موریطانیہ اور صحرائے اعظم شامل ہے۔ یہ تمام ممالک فرانسیسی استعمار کے زیرِ نگیں رہے۔ ان میں سب سے پہلے جہاں فرانس کے منحوس قدم پڑے وہ الجزائر ہے۔ ۱۸۳۰ میں وہاں فرانس داخل ہو گیا تھا اور ۱۵ سال کے عرصے میں اس نے پورے الجزائر پر قبضہ کر لیا تھا۔ مراکش میں وہ ۱۹۱۲ میں آیا۔ اور دوسرے ممالک کی طرح مراکش میں بھی فرانس کو عبدالکریم خطابی کی (جو بالعموم عبدالکریم ریفی کے نام سے مشہور ہیں) تحریکِ جہاد سے پالا پڑا۔ عبدالکریم خطابی مجاہد بھی تھے اور عالمِ دین بھی۔ انھوں نے ریف (دیہاتی آبادیوں) کے نوجوانوں پر مشتمل اسلامی لشکر تیار کیا جس نے فرانسیسی فوجوں کے لیے مراکش کی سرزمین تنگ کر دی مگر آخر کار "اپنوں" کی چیرہ دستیوں نے اس عظیم تحریک کو ناکام کر دیا۔

۱۹۵۶ میں مراکش آزاد ہوا۔ اس کی آزادی میں سب سے زیادہ جس شخصیت نے کارنامہ ہائے گراں قدر انجام دیے ہیں وہ علال الفاسی ہیں جو آزادی کے بعد حزب الاستقلال کے سربراہ بنے۔ اپنے پیشرو عبدالکریم خطابی کی طرح یہ بھی جامع کمالات اور دعوت و جہاد اور علم و فضل کا حسین امتزاج تھے۔ صاحبِ سیف بھی تھے اور صاحبِ قلم بھی۔ آزادی کے بعد سلطان محمد خامس

مراکشی عوام کی حمایت و تائید سے ملک کے سربراہ بنائے گئے۔ وہ خود بھی جہاد میں حصہ لیتے رہے اور اسی وجہ سے جلاوطنی کی زندگی گزارتے رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ مراکش میں شریعتِ اسلامی کا نفاذ ہو۔ انھوں نے پاکستان کے مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ سے بھی اپنے ایک رفیق استاذ تقی الناصری کے ذریعے رابطہ قائم کیا اور اسلامی دستور کی تدوین و ترتیب کے لیے ان کی آرا و افکار دریافت کیں۔ ان کو جب مولانا مرحوم کی کتاب نحوالدستور الاسلامی (دستور اسلامی کی تدوین) بھیجی گئی تو انھوں نے جواب دیا کہ وہ مراکش میں انھی بنیادوں پر ملی دستور وضع کریں گے۔ ۱۹۶۲ میں ان کا ایک آپریشن کے دوران انتقال ہو گیا اور کہا جاتا ہے کہ وہ عالمی سازش کا شکار ہو گئے۔

ساٹھ کے عشرے سے اب تک مراکش میں بائیں بازو کے عناصر سیاست پر غالب نظر آتے ہیں۔ ایک تو شاہ مراکش حسن ثانی کی حکومت کی یہ پالیسی رہی ہے کہ سیاست میں اسلامی عناصر سر نہ اٹھانے پائیں اور دوسرے فرانس کی اشتراکی تحریکوں کے بھی مراکش کے تعلیم یافتہ طبقے پر چھینٹے پڑتے رہے ہیں۔ اسلامی دعوت کے میدان میں مراکش کے علما کی تنظیم رابطة العلما کی مساعی بھی قابلِ قدر ہیں۔ اس کے مرحوم صدر علامہ عبداللہ کنون بڑے جری اور مخلص انسان تھے۔ فقہ و شریعت کے ساتھ شعر و ادب اور تاریخ کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتے تھے۔ ۵۰ کے لگ بھگ کتابوں کے مصنف تھے۔ المیثاق کے نام سے ہفت روزہ اخبار نکالتے تھے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے مراکش میں فرانسیسی زبان کے حملے کے مقابلے میں عربی زبان کی ترویج کی اور اسے مرتے مرتے بچا لیا۔ المیثاق سے پہلے انھوں نے تطوان سے لسان الدین کے نام سے عربی ماہنامہ جاری کیا اور اس کا اسلوب نہایت سلیس رکھا تاکہ کلاسیکل عربی زبان سے ہٹ کر اسے عملی زندگی میں موثر حصہ لینے والی زبان بنایا جائے۔ احیائے اسلام کے میدان میں انفرادی طور پر جن حضرات نے جان کھپائی ہے ان میں مجلہ الایمان کے مالک و مدیر استاذ عبدالقادر القادری، مرحوم عمر بہاء الدین الامیری (جو شام سے ہجرت کے بعد سال ہا سال تک مراکش میں مقیم رہے) اور تقی الدین ہلالی (سلفی عالم تھے، قدرے سخت مزاج) کا نام تاریخ مراکش میں سنہری حروف سے ثبت ہو گا۔ مجلہ دعوة الحق کی بھی بڑی موثر خدمات ہیں۔ گو یہ مجلہ مراکش کی وزارتِ اوقاف کی طرف سے نکلتا تھا۔ مگر اس کی ادارت تحریکِ اسلامی سے متاثر لوگوں کے ہاتھ میں تھی۔ انھوں نے اس کے ذریعے عالمی اسلامی تحریک کی دعوت مراکشی عوام تک پہنچائی۔ اس مجلے نے مولانا ابو الاعلیٰ مودودیؒ کی تحریریں ۱۹۵۶ تا ۱۹۶۵ پابندی کے ساتھ شائع کیں۔ جب اس کا ادارتی نظام بدل گیا تو اس کے دعوتی کردار میں بھی تبدیلی آ گئی۔

مراکش کے نوجوانوں میں منظم اسلامی تحریک کا آغاز ۱۹۶۹ سے ہوا جب یونیورسٹیوں کے فارغ نوجوانوں نے ینگ مسلم موومنٹ (حركة الشبيبة الاسلامية) کے نام سے ایک تنظیم کی بنیاد رکھی۔ اس کے صدر ایک فاضل نوجوان عبدالکریم مطیع تھے۔ جماعتِ اسلامی پاکستان اور اخوان المسلمون مصر کی دعوت اور طریقِ کار کو اس نے اختیار کیا۔ جگہ جگہ حلقے قائم کیے گئے اور تربیتی پروگراموں کے ذریعے نوجوانوں کو اس طرف متوجہ کیا گیا۔ اب تک تو صرف سوشلسٹ تنظیمیں فضا پر قابض تھیں اور اسلام کے نام لیواؤں کے لیے کوئی چھتری نہ تھی۔ چنانچہ ینگ مسلم موومنٹ کا قیام مسلمانوں کے لیے تسکینِ قلب کا پیغام لے کر آیا۔ فاس کی قرویین یونیورسٹی، رباط کی محمد خامس یونیورسٹی اور دیگر تعلیمی اداروں کے اندر اسے بڑی پذیرائی حاصل ہوئی۔ یہاں تک کہ ۶ سال کے اندر اندر یہ تنظیم تطوان سے لے کر الدارالبیضاء تک پھیل گئی اور مراکش کے مسلم عوام کے اندر اسے قابلِ لحاظ مقام حاصل ہو گیا۔ اس کی ہر دلعزیزی دیکھ کر سرکاری حلقے بھی متفکر ہو گئے اور کمیونسٹ اور لبرل عناصر بھی گھبرا گئے اور اسے تقریباً وہی عروج حاصل ہو گیا جو الجزائر میں اسلامک سالویشن فرنٹ کو ۱۹۹۰ میں حاصل ہوا۔

مراکش میں پچاس ہزار کے قریب یہودی بستے ہیں۔ مراکش کی اقتصادی رگ ان کے ہاتھ میں ہے۔ اسلامی آواز کا اٹھنا ان کے لیے موت ہے۔ حکومت میں بھی انھیں بڑا اثر و نفوذ حاصل ہے۔ امریکی یہودی اور اسرائیل بھی ان کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ شاہ حسن بھی اسرائیل کے لیے نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ ینگ مسلم موومنٹ نے جہاں ایک طرف یہود و اسرائیل کو ہراساں کر دیا وہاں خود مراکشی حکومت کے لیے بھی اس کی بڑھتی طاقت ناقابلِ برداشت بن گئی، اور اب تدبیریں ہونے لگیں کہ کس طرح ینگ مسلم موومنٹ سے نجات حاصل کی جائے۔ ۱۹۷۵ میں مراکش کا کمیونسٹ لیڈر عمر بن جلون کسی نوجوان کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔ بس پھر کیا تھا، ملک میں سرکاری حلقوں اور کمیونسٹ عناصر نے طوفانِ بدتمیزی برپا کر دیا اور اس قتل کا الزام ینگ مسلم موومنٹ اور اس کے سربراہ عبدالکریم مطیع پر تھوپ دیا گیا۔ حکومت نے ینگ مسلم موومنٹ کو خلافِ قانون قرار دے دیا، اس کے ذمہ دار افراد گرفتار کر لیے، اس کے صدر عبدالکریم مطیع ملک سے باہر چلے گئے۔ ان کی عدم موجودگی میں خصوصی عدالت میں مقدمہ پیش کیا گیا اور وہاں سے ان کو اور دیگر چند ساتھیوں کو موت کی سزا سنائی گئی۔ حکومت نے ایک تیر سے دو شکار کر لیے۔ کمیونسٹ لیڈر سے نجات اور اسلامی تحریک پر قدغن۔ عبدالکریم مطیع نے باہر جا کر الجاہد کے نام سے ایک مجلہ جاری کر دیا۔ مگر وہ ابھی تک ملک سے باہر ہیں اور ینگ مسلم موومنٹ بدستور

پابندی عائد ہے۔

مراکش کی دوسری اسلامی تحریک جماعۃ العدل والاحسان ہے۔ اس کے سربراہ عبدالسلام یٰسین ہیں۔ یہ تنظیم ۱۹۸۰ میں قائم ہوئی۔ اس کی بنیادی فکر تو وہی ہے جو عالمی اسلامی تحریک کی ہے' مگر عبدالسلام یٰسین چونکہ حلقہ تصوف سے تعلق رکھتے ہیں' شیخ حمزہ کے مرید رہے ہیں' اس لیے انھوں نے اپنی جماعت میں تزکیہ نفس کا وہی طریقہ جاری کر رکھا ہے جو خانقاہوں میں پایا جاتا ہے۔ دوسری طرف شیخ عبدالسلام یٰسین حکومت پر بھی شدید تنقید کرتے ہیں۔ انھوں نے دو سال پہلے شاہ مراکش کو ایک مفصل خط لکھا تھا جس کا عنوان تھا' الاسلام او الطوفان (اسلام اختیار کر لیجیے' ورنہ ایک طوفان برپا ہو جائے گا)۔ جماعۃ العدل والاحسان کے اندر نوجوان کافی داخل ہو رہے ہیں۔ الرایۃ کے نام سے ان کا ایک ہفت روزہ ہے۔ عبدالسلام یٰسین نے اپنے طریقِ کار کی وضاحت کے لیے منہج النبوی (نبوی طریقِ کار) کے نام سے ایک ضخیم کتاب بھی تالیف کی ہے۔ یہ لوگ منکرات کے خلاف وقتاً" فوقتاً" مظاہرے کرتے رہتے ہیں اور پولیس کی لاٹھیوں کے جواب میں پھول برساتے ہیں۔

ستر کا عشرہ کمیونسٹوں کے عروج کا تھا۔ اب نوجوان نسل ان کے فریب میں کم ہی آتی ہے۔ اس وقت مراکش میں چار کمیونسٹ تنظیمیں پائی جاتی ہیں۔ اگست ۱۹۹۳ کے انتخاب میں دائیں بازو کی پارٹی حزب الاستقلال اور بائیں بازو کی سوشلسٹ یونین نے اتحاد قائم کر لیا تھا اور دونوں نے مل کر ۳۰۰ نشستوں میں سے ۸۰ نشستیں حاصل کی ہیں۔ باقی نشستیں شاہ پرست عناصر نے جیتی ہیں۔ مراکش کا انتخابی نظام یہ ہے کہ اسمبلی کی دوتہائی نشستیں بذریعہ انتخاب پُر کی جاتی ہیں اور ایک تہائی قبائل اور بلدیاتی نمائندوں کو دی جاتی ہیں اور یہ نامزدگی شاہ کی طرف سے کی جاتی ہے۔ حزب الاستقلال اور الاتحاد الاشتراکی اپوزیشن میں ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ مراکشی قوم جس کا ماضی نہایت شاندار اور روشن رہا ہے' مستقبل میں اسلامی تحریک کے پلڑے میں اپنا وزن ڈالے گی۔

(جاری ہے)

رسائل و مسائل

کیفیتِ قلب

میں آپ کے لیے ایک اجنبی ہوں، لیکن آپ میرے لیے اجنبی نہیں۔ دیہی ماحول میں پلا بڑھا۔ فوج میں چلا گیا۔ ایک کیس میں سزا ہو گئی۔ اب جیل میں ہوں۔ ۱۹۸۷ میں گرفتاری کے بعد تفہیم القرآن کے ذریعہ جماعت سے صحیح متعارف ہوا۔ اب میرا اٹھنا بیٹھنا جماعت کے افراد کے ساتھ ہے --- چند باتیں مجھے پریشان کرتی ہیں۔

۱۔ میں ذہناً" جماعت کی دعوت سے متفق ہوں۔ لیکن دل کو تیار نہیں پاتا۔ کیا وجہ ہے، جب کہ میں ایک جذباتی انسان ہوں۔

۲۔ لٹریچر میں پیروں اور ولیوں کی نفی کی گئی ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ رسول کو بھی عام انسان تصور کیا جاتا ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ میرے حبِّ رسولؐ میں کمی ہو گئی ہے۔

۳۔ پہلے رو کر غبار آنکھوں کے راستے نکال لیتا تھا۔ اب تو آنکھیں جیسے خشک ہو چکی ہیں۔ کوشش کرتا ہوں تہجد ادا کروں، لیکن نمازوں میں لطف نہیں۔

۴۔ میں سپاہی ہوں۔ ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہتا تھا، لیکن اب جیسے کوئی میرے جذبے چھین لے گیا ہے۔

۴۔ پہلے دعا میں ہر لفظ اثر کرتا تھا۔ اب تہجد بھی بے لطف ہے۔ شاید اس لیے کہ ساتھی کی شکایت پر کہ نیند میں خلل پڑتا ہے، میں نے آہستہ پڑھنا شروع کر دیا۔

۵۔ جیل میں استاد ہوں۔ ساتھی کہتے ہیں کہ تم نوجوانوں کو عمل پر نہیں ابھارتے۔ میری باتوں میں اثر نہیں۔ لوگوں کے دل کیسے بدلوں، میرا اپنا یہ حال ہے۔

آپ نے جو متعدد مسائل اٹھائے ہیں، ان کے سلسلہ میں چند بنیادی باتیں عرض کر دوں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حسنِ عمل کے امتحان کے لیے یہ زندگی دی ہے۔ اور اسی

لیے آپ کو آزادی بخشی ہے کہ چاہے نیکی کریں چاہے بدی۔ اسی امتحان کی خاطر ایسی چیزیں بھی آپ کے ساتھ لگا دی ہیں جن کو آپ ختم نہیں کر سکتے --- اس لیے کہ وہ ختم ہو جائیں تو امتحان نہ ہو سکے گا --- لیکن مسلسل جدوجہد سے قابو میں رکھ سکتے ہیں۔ مثلاً غفلت' بھول' ارادہ کی کمزوری' جذبات --- اور حرکات و میلانات میں اتار چڑھاؤ اور تغیر و تبدل۔ اور ایسی چیزیں بھی لگا دی ہیں کہ آپ غلط استعمال کریں تو مہلک' صحیح استعمال کریں تو نافع۔ مثلاً لالچ --- دنیا کے لیے ہو تو مہلک' جنت کے لیے ہو تو بے پناہ نافع۔ یا جنسی خواہش --- حدود میں ہو تو صالح تمدن کی جڑ' غلط استعمال ہو تو فساد کا سرچشمہ۔ دونوں ضروری ہیں۔ لالچ نہ ہو تو آدمی دنیا میں کوئی کام نہ کرے' جنسی خواہش نہ ہو تو نسلِ انسانی ناپید ہو جائے۔

دوسرے یہ کہ شیطان ہو یا نبی' کسی کو آپ پر اختیار نہیں دیا ہے۔ ان کا اختیار وسوسہ اور دعوت تک ہے۔ قبول کرنا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔ اگر آپ کچھ کرنے کے لیے واقعی مجبور ہیں تو پھر کوئی مواخذہ نہیں۔

تیسرے یہ کہ آپ کی مسئولیت اپنے ان اعمال کے لیے ہے جو آپ کے اختیار میں ہوں' نماز پڑھنا آپ کے اختیار میں ہے۔ نہیں پڑھیں گے تو مواخذہ ہو گا۔ خشوع پیدا کرنے کی کوشش کرنا آپ کے اختیار میں ہے' پیدا کر لینا آپ کے اختیار میں نہیں۔ کوشش کے باوجود نہ پیدا ہو تو آپ مسئول نہیں ہیں۔ دل بھی آپ کے اختیار میں نہیں دیا ہے۔ ہر قسم کے خیالات آئیں گے' آپ روک نہیں سکتے۔ خیالات اور وسوسوں پر کوئی مواخذہ نہیں۔ ہاں' آپ ان پر عمل کریں تو مواخذہ ہے۔ دل کو وسوسوں سے پاک رکھنا اور اس کی کیفیات میں اتار چڑھاؤ کو روک دینا آپ کے اختیار میں نہیں۔

چوتھے یہ کہ اصل مطلوب اللہ کی رضا اور جنت ہے' نہ کہ وہ کیفیات جو آپ کے اختیار میں نہیں۔ اور یہ مطلوب اسی طریقہ سے حاصل ہو گا جو خود اللہ نے بتایا ہے' نہ کہ اس طریقہ سے جو ہم خود اپنے سر اوڑھنا شروع کر دیں۔

ان چار بنیادی اصولوں کی روشنی میں آپ اپنے سوالات پر غور کریں گے تو غالباً جواب خود پا لیں گے۔ میں چند باتیں مختصراً آپ کے سامنے رکھوں گا۔

۱۔ جب آپ کا ذہن مطمئن ہے کہ جماعتِ اسلامی کی دعوت حق ہے' تو آپ کو اس کے لیے عمل شروع کر دینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے رہنما عقل کو بنایا ہے' دل کو نہیں۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

فرمایا ہے۔ دل تو ہزار وسوسوں کا شکار ہو سکتا ہے۔ جب قرآن مجید کے نورِ مبین کی روشنی میں عقل مطمئن ہے تو آپ قدم بڑھانا شروع کر دیں۔ انشاء اللہ دل بھی ساتھ دے گا۔ نہ دے گا تو اس سے آپ کے اجر میں کمی نہ آئے گی۔ اس کا کام تو آپ کے انجن کو اسٹیم فراہم کرنا ہے۔ آپ کام کے ساتھ اللہ کو یاد کرنے کا شغل رکھیں گے تو دل بھی مطمئن ہوتا جائے گا۔ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ دل کیوں تیار نہیں' اس کی وجہ تلاش نہ کیجیے۔ یہ آپ کو تاخیر و تعویق میں ڈالنے کے لیے شیطانی وسوسہ ہے۔

۲ ۔ لٹریچر میں غلط پیروں ولیوں کی نفی کی گئی ہے' یا غلط ولایت و تصوف کی۔ اصل معیار تو اللہ اور رسول ہیں۔ رسول بشری حوائج کے لحاظ سے عام انسانوں کی طرح ہیں --- یہ بات لٹریچر نہیں' خود قرآن کہتا ہے --- لیکن رسول ہونے کی حیثیت سے عام انسانوں سے بالکل مختلف ہیں۔ اس لیے ان کی اطاعت' اللہ کی اطاعت ہے اور ان سے ہر چیز سے بڑھ کر محبت کے بغیر ایمان ناقابلِ اعتبار ہے۔ لٹریچر بھی یہی بات کہتا ہے۔ آپ اصل فکر رسولؐ کے اتباع کی کریں' ان کے دین کی نصرت کی کریں۔ یہی حبِ الٰہی اور اس کے حصول کا راستہ ہے' حبِ رسولؐ کا بھی۔

یہ یاد رکھیے کہ لٹریچر ہر مرض کی دوا نہیں۔ نسخہ شفا تو قرآن اور سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لیے آپ ان دونوں سے ربط بڑھائیں۔

۳ ۔ آپ نمازوں میں لطف پیدا کرنے کے لیے جو تدابیر اللہ اور اس کے رسولؐ نے تجویز کی ہیں' وہ ضرور اختیار کریں۔ لیکن ان تدابیر کے باوجود لطف کے نہ ہونے سے آپ کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ یہی معاملہ معیار کا ہے' اور آنکھوں کی نمی کا ہے۔ ابلیس کے معنی ہیں' بہت مایوس زدہ --- اور اس کا سب سے بڑا ہتھیار یہی ہے کہ وہ کسی نہ کسی طرح ' نیکی اور درجات اور مطلوبہ کیفیات کے نام پر ایمان کو مایوسی کا کینسر لگا دے۔

۴ ۔ "جذبے کہاں چلے گئے' اس کا علاج بھی وہی ہے جو میں نے تحریر کیا۔ یہ' سوچنے سے اور پوچھنے سے واپس نہیں آئیں گے۔ اللہ کو یاد کرنے سے' اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہہ کر ہمت و حوصلہ سے یادِ الٰہی اور کارِ الٰہی میں لگ جانے سے ان شاء اللہ جذبے اور کیفیات بھی حاصل ہوں گے۔ اور نہ بھی ہوں تو آپ کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ بلکہ شاید زیادتی ہو گی کہ آپ نے مردانہ وار شیطانی وسوسوں کا مقابلہ کیا۔ اور مطلوب تو اجر ہے نہ کہ جذبے۔

۵ ۔ لوگوں کے دل بدلنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے۔ اس غلط فہمی میں نہ پڑیے کہ آپ کے جوش' ولولے' اور صلاحیتوں سے' باتوں کی گرج سے' اثر ہو گا اور لوگ بدلیں گے۔ بعض انبیا نے عمریں کھپا دیں --- اور وہ ان چیزوں کے بدرجۂ اتم حامل تھے--- لیکن جن لوگوں کو نہ بدلنا

تھا، نہ تیار ہونا تھا، وہ نہ ہوئے۔

۶۔ ساتھیوں کو ایذا نہ پہنچانا عین مطلوب ہے، تہجد کا سرور مطلوب نہیں۔ آپ اسی طرح پڑھتے رہیں کہ ان کو ایذا نہ پہنچے۔ اس طرح ان شاء اللہ آپ کو اجر بھی زیادہ ملے گا۔ ایک تو اس وسوسہ کے باوجود کہ سرور نہیں، نفلی عبادات میں لگے رہنا، دوسرے، انسانوں کو ایذا پہنچانے سے بچنے کے لیے اپنے نفس کے مطالبہ کو ترک کر دینے کا۔

مجھے تو آپ کا خط پڑھ کر بہت امید ہوئی ہے کہ آپ نے ایک دفعہ دین کی حقیقت کو اور شیطان کے ہتھکنڈوں کو سمجھ کر ان کا مقابلہ کر لیا، تو آپ کو وہ سب چیزیں بھی حاصل ہو جائیں گی جن کے نہ ہونے کا آپ نے شکوہ کیا ہے۔ (خ-م)

سالگرہ تقریبات

شادی بیاہ کی سالگرہ اور بچوں کی برتھ ڈے وغیرہ پر شرعی نقطہ نگاہ سے وضاحت فرمائیں۔

شادی بیاہ یا بچوں کی پیدائش کی سال گرہ کے سلسلہ میں چند اصولی باتیں پیشِ نظر رہنا چاہئیں۔

اولاً تو یہ عمومی اصول کہ جن چیزوں سے منع کر دیا گیا ہے، ان کے علاوہ چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہیں، الّا یہ کہ ان میں کوئی ایسی چیز پائی جاتی ہو جو ممنوع ہو، یا جس سے فساد پیدا ہوتا ہو۔ جن چیزوں کے بارہ میں خدا اور رسولؐ نے سکوت اختیار کیا ہے ان کے بارہ میں کھوج کرنا بھی پسندیدہ نہیں۔

ثانیاً اصلاح و تغیر کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ معاشرہ میں جو چیزیں رائج ہوں، ان میں سے جو غلط نہ ہوں انھیں کچھ نہ کہا جائے، جو غلط ہوں مگر قابلِ اصلاح ہوں ان کی اصلاح کی جائے، جو بناءِ فساد ہوں اور ان کی اصلاح ممکن نہ ہو ان سے روکا جائے۔ شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ، ج ۱، میں اس مسئلہ پر مفید بحث کی ہے۔

ثالثاً سلف کی یہ روش ہمیشہ سامنے رہنا چاہیے کہ وہ اجتہادی مسائل میں حلال اور حرام کے الفاظ استعمال کرنے سے بالکل اجتناب کرتے تھے، یا بے حد احتیاط۔ عموماً مکروہ کا لفظ کہہ کر گزر جاتے تھے۔ یا پھر یہ کہتے تھے کہ میری رائے میں یہ بہتر ہے، میری رائے میں یہ پسندیدہ نہیں

ہے۔ اس لیے جائز و ناجائز کے فتووں سے احتراز ہی قرینِ حکمت ہے۔

ان اصولوں کے پیشِ نظر، میں سالگرہ میں فی نفسہٖ تو کوئی ایسی چیز نہیں پاتا کہ اس کو ناجائز سمجھوں، یا اس سے روکوں۔ ہاں، اس میں اگر فخر و مباہات ہو، نمائش و دکھاوا ہو، اسراف ہو، شرما شرمی اور مجبوری میں تبادلہ تحائف ہو، تو یہ وہ چیزیں ہیں جن کی بنا پر، میری رائے میں، یہ قابلِ اجتناب ہے۔ کیونکہ بالعموم یہ چیزیں پائی جاتی ہیں، اس لیے جو اللہ کی رضا کا طلب گار ہو، اس کو ان برائیوں میں نہ پڑنا چاہیے۔ لیکن اگر کوئی ان برائیوں سے پاک کر کے ان تقریبات کو منائے تو میرے نزدیک اس کو روکنے کا کوئی جواز نہیں۔

حکیمانہ طریقہ کار یہ ہے کہ ان رسومات کے خلاف تنکیر و فتویٰ کے بجائے فخر و مباہات، نمود و نمائش، مسابقت فی الدنیا، اسراف، حصول تحائف بالجبر (سوشل پریشر بھی جبر کی صورت ہے)، اور ما لایعنی میں اشتغال کے خلاف تعلیم و تذکیر کا کام کیا جائے۔ (خ۔م)

قربانی کی حیثیت

"نماز اور قربانی" (اپریل ۹۴) میں مولانا فراہیؒ نے لکھا ہے کہ "نسک" سے مراد حج و عمرہ کی قربانی ہے۔ جب منکرینِ سنت نے پروپیگنڈہ کیا کہ بقر عید پر قربانی ملاؤں کی ایجاد ہے، تو سیّد مودودیؒ نے قربانی کی شرعی حیثیت میں لکھا تھا کہ کوئی اشارہ ایسا نہیں کہ اسے صرف حج کی قربانی سمجھا جائے۔ ان دونوں باتوں میں تضاد ہے۔ ترجمان القرآن مولانا مودودیؒ کے افکار کا ترجمان ہے۔ اب لوگ پروپیگنڈہ کر سکتے ہیں کہ مودودیؒ کے پیروکار خود ہی ان کو غلط قرار دے رہے ہیں۔ وضاحت فرمایئے۔

آپ غور کریں تو سیّد مودودیؒ اور مولانا فراہیؒ کی تشریحات میں کوئی تضاد نہیں، بلکہ یہ عام اور خاص پہلو کا فرق ہے۔ سیّد مودودیؒ کے پیشِ نظر منکرینِ قربانی کی تردید ہے، اس لیے وہ عام پہلو بیان کرتے ہیں۔ ان کا مدعا یہ ہے کہ نسک کا مطلب صرف حج کی قربانی نہیں ہے، لیکن ظاہر ہے کہ حج کی قربانی عام قربانی سے باہر نہیں۔ مولانا فراہیؒ کے پیشِ نظر حج اور خانہ کعبہ کی مناسبت سے قربانی کا بیان ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں، نسک سے مراد حج اور عمرہ کی قربانی ہے۔ خاص کا عام پر اطلاق معروف ہے، اور ان کا مدعا بھی یہ نہیں کہ عید الاضحیٰ کی قربانی پر اس حکم کا اطلاق نہیں ہوتا۔

ترجمان القرآن، سید مودودیؒ کی رہنمائی کی روشنی میں، اللہ اور اس کے رسولؐ کی ہدایت کا ترجمان ہے۔ اسی طرح وہ دین کے بارہ میں سید مودودیؒ کی اس فکر کا ترجمان ہے کہ اسلام ایک مکمل نظامِ حیات ہے، دین کا قیام مسلمانوں پر فرض ہے، اور اس مقصد کے لیے اجتماعی جدوجہد ناگزیر ہے۔ یہی ان کی اصل فکر ہے۔ باقی معاملات میں ترجمان کے لیے رہنما اصول سید مودودیؒ کی یہ فکر ہے کہ معیارِ حق صرف اللہ اور اس کے رسولؐ ہیں، اور کسی بھی انسان کی رائے سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ تشکیلِ جماعت کے وقت ان کی یہ ہدایت بھی ہمارے لیے راہنما ہے، کہ نہ جماعت ان کی تحقیق و رائے پر پابندی عائد کرے، اور نہ جماعت میں کوئی ان کی تحقیق و رائے ماننے کا پابند ہو۔ سید مودودیؒ کی زندگی میں بھی ان کی رائے یا تاویل سے مختلف آرا ترجمان میں چھپتی رہی ہیں۔ اگر مولانا فراہیؒ کی رائے فی الواقع سید مودودیؒ کی رائے سے متضاد ہوتی، جب بھی ان کی رائے کے ترجمان میں چھپنے سے ترجمان کی سید مودودیؒ سے نسبت پر کوئی حرف نہ آتا۔ (خ-م)

کتاب نما

Islam and the Economic Challenge : از ڈاکٹر ایم عمر چھاپرا۔ ناشر: اسلامک فاؤنڈیشن اور انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک تھاٹ۔ ملنے کا پتا: فاران کلب ' بلاک نمبر۷' گلشن اقبال ' کراچی۔

سوویت یونین اور مشرقی یورپ میں سوشلزم اور اس کے معاشی نظام کے زوال سے انسانیت کے مستقبل کے لیے کئی نازک سوالات پیدا ہوگئے ہیں۔ مغربی سرمایہ داری کے علمبردار یہ دعویٰ کررہے ہیں کہ یہ مغرب کے لبرل فلسفے کی فتح اور سوشلزم کی آخری شکست ہے۔ کیا واقعی تاریخ انسانی اپنی آخری حد تک پہنچ گئی ہے یا یہ تاریخ کے لامتناہی مدوجزر کا صرف ایک مرحلہ ہے؟ کیا سوشلزم کے اپنے اندرونی تضادات کے عمل سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہونے کا لامحالہ مطلب یہ ہے کہ سرمایہ داری نے اپنے تضادات اور ناکامیوں پر فتح حاصل کرلی ہے؟

زیرنظر کتاب ان سوالات کا جواب دینے کی ایک بروقت کوشش ہے۔ اگر مسلم اہل فکر کے ان دعووں کا معروضی جائزہ لے کر یہ واضح کردیا جائے کہ جدید دور کے معاشی مسائل کو اسلام اطمینان بخش طریقے پر حل کرتا ہے تو انسانیت کے مستقبل کے لیے نئے امکانات کے دروازے کھل جائیں گے۔

انسانیت نے مغرب کی قیادت میں گذشتہ تین صدیوں میں چار معاشی نظریات کا تجربہ کیا ہے۔ سرمایہ داری' سوشلزم' فاشزم اور فلاحی ریاست۔ ان سب کی بنیاد مغرب کا یہ اساسی نظریہ تھا کہ مذہب اور اخلاق سے انسان کے معاشی مسئلے کے حل کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ سرمایہ داری نے اپنی عمارت فرد کے لامحدود کاروبار' منافع کے محرک اور مارکیٹ میکنزم پر تعمیر کی۔ سوشلزم

نے قومی ملکیت، اجتماعی مقاصد کے لیے تحرک اور مرکزی منصوبہ بند معیشت سے فلاح کی راہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ فاشزم نے دونوں کو ملا کر ریاستی سرمایہ داری اور سیاسی مہم جوئی کو اختیار کیا۔ فلاحی ریاست میں اشتراکیت اور سرمایہ داری دونوں کے تصورات کو سمونے کی کوشش کی گئی۔ اب یہ سمجھ لینا کہ فاشزم اور سوشلزم کی ناکامی کا مطلب سرمایہ داری اور فلاحی ریاست کی کامیابی ہے، ایک سادہ فریب خوردگی کے سوا کچھ نہیں۔ دورحاضر میں معاشی مسئلہ انتہائی سنگین ہو چکا ہے۔ اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ پورے مسئلے کا از سر نو، تازہ ذہن کے ساتھ جائزہ لے کر کوئی ایسا حل تلاش کیا جائے جس سے تمام انسانوں کی فلاح و بہبود یقینی بن سکے۔

ڈاکٹر عمر چھاپرا کی یہ کتاب اسی نوعیت کی ایک کوشش ہے۔ وہ ایک بلند پایہ ماہر معاشیات ہیں۔ کراچی اور مینوسوٹا یونیورسٹی سے حصول تعلیم کے بعد انھوں نے معاشیات کی تدریس اور تحقیق کی وادی میں ایک طویل سفر کیا ہے۔ وہ متعدد تحقیقی اداروں سے وابستہ رہے۔ امریکا کی کئی جامعات میں تدریسی فرائض انجام دیے۔ گذشتہ ۲۶ برس سے سعودی عرب کے "اسٹیٹ بینک" میں معاشی مشیر ہیں۔ یوں انھیں نظری اور عملی دونوں زاویوں سے معاشی مسائل کے مطالعے کا موقع ملا ہے، اور مغربی اور مسلم ممالک دونوں کے معاشروں سے ان کا واسطہ رہا ہے۔ وہ گذشتہ ۱۵ برسوں سے معاشی مسائل کے لیے اسلامی نقطہ نظر کی تشکیل میں مصروف ہیں۔ ان کی گذشتہ کتاب *Towards a just Monctary Syslem* کو مسلم دنیا میں بڑا وقیع مقام حاصل ہوا اور انھیں فیصل انعام اور اسلامی ترقیاتی بنک کا انعام دیا گیا۔ اس دور کے بنیادی معاشی مسائل کا سب سے بہتر مطالعہ شاید انھوں نے ہی کیا ہے۔

یہ کتاب جیسا کہ مقدمہ میں بتایا گیا ہے، ان کے ایک عشرے کے ، ۔ ۃ اور محنت کا نتیجہ ہے۔ فاضل مصنف نے نہایت وقت نظری اور پیشہ ورانہ مہارت سے مغربی دنیا کے تینوں معاشی نظاموں کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا موازنہ کیا ہے اور معیشت کی صورت گری کے لیے اسلامی طریق کار کو وضاحت سے پیش کیا ہے۔ نیز مسلم ممالک کی معیشتوں کی ترقیاتی منصوبہ بندی کے لیے نئے راستے تجویز کیے ہیں۔ مسلم دنیا کے لیے ان کا نسخہ تین اجزا پر مشتمل ہے۔ اول یہ کہ ترقیاتی منصوبہ بندی کے ساتھ ساتھ مارکیٹ میکنزم کے لیے معروف اخلاقی اصولوں کا اطلاق کیا جائے۔ اس کے لیے، انھوں نے *Moral Filter* کی اصطلاح پیش کی ہے۔ دوم یہ کہ اقتصادی سرگرمیوں کے لیے زیادہ وسیع البنیاد تحرک اختیار کیا جائے۔ اور سوم یہ کہ ہیئت میں

بنیادی اصلاحات کرکے ایک معاون ڈھانچا قائم کیا جائے۔

کتاب کے پہلے حصے میں بتایا گیا ہے کہ اگر مسلم ممالک کو اپنے معاشی مقاصد فی الواقع حاصل کرنا ہیں تو انھیں ناکام معاشی نظاموں سے بچنا ہوگا۔ اس حصے کے پہلے تین باب رائج الوقت نظاموں کے عالمی نظریے (world view) اور حکمت عملی کے تجزیے پر مشتمل ہیں اور ان کے اہداف اور عالمی نظریے کے تضاد کی نوعیت اور مضمرات معلوم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ چوتھے باب میں بتایا گیا ہے کہ اگر ترقی پذیر ممالک نے رائج الوقت نظاموں کی حدود میں پالیسیاں بنائیں تو ان کے مسائل میں اضافہ ہوگا اور عدل و مساوات کی منزل کبھی حاصل نہ ہوگی۔ دوسرے حصے کے سات ابواب میں اسلامی نقطہ نظر پیش کیا گیا ہے۔ پہلے باب میں انھوں نے بتایا ہے کہ اسلام کا عالمی نظریہ اور اس کی حکمت عملی مقاصد شریعت یعنی افراد کی دنیوی و اخروی فلاح سے ہم آہنگ ہے۔ دوسرے باب میں مسلم ممالک کے مرض کی تشخیص کرتے ہوئے پانچ بنیادی پالیسی امور بیان کیے گئے ہیں جو مقاصد شریعت کے حصول کے لیے ضروری ہیں۔ ان صفحات میں انسانی عامل کو حقیقی مقام دینے اور ارتکاز دولت کو روکنے کے طریقے' معاشی اور مالی سرگرمیوں کی نئی صورت گری کے لیے تدابیر و اقدامات' اسلامی تعلیمات کے موثر نفاذ کے لیے حکمت عملی پر بحث کی گئی ہے۔ آخری باب میں پوری بحث کو سمیٹا گیا ہے۔

اس کتاب کو معاشی لٹریچر میں ایک تابناک اضافہ قرار دیا جاسکتا ہے۔ یہ نہ صرف رائج الوقت معاشی نظریات کا ایک دقیع محاکمہ ہے' بلکہ امید ہے کہ معاصر مسلم دنیا کے بڑھتے ہوئے پریشان کن اور پیچیدہ معاشی مسائل کے اسلامی حل کے لیے انگیز کرنے کا فریضہ انجام دے گی۔ اگر ہمارے سیاسی اور معاشی قائدین ہمت کریں تو یہ لائحہ عمل انھیں آئی ایم ایف اور ورلڈ بنک کے پھندوں سے نجات دلا سکتا ہے اور انسانیت کے لیے ایک قابل تقلید نمونہ سامنے آسکتا ہے۔

اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ احساس ہوا کہ کاش ہمارے معاشیات کے طالب علم' اساتذہ اور پالیسی ساز' اسلام کے معاشی نظام کے ناقابل عمل ہونے کے احساس (جو دراصل ارتداد کے مترادف ہے) سے نکلیں اور انھیں بھی وہی ایمان و ایقان نصیب ہو جو اس کتاب کے مصنف کو حاصل ہے۔ (مسلم سجاد)

توبہ : از قاضی عبداللہ حلیم فضلی۔ ناشر: ادارہ فیوضات مجددیہ خانقاہ فضلیہ شیر گڑھ تحصیل و ضلع مانسہرہ۔ صفحات ۳۴۶۔ قیمت ۱۰۰ روپے۔

مصنف ایک علم دوست شخصیت ہیں۔ زیرِ نظر کتاب ان کے ۶۸ مختصر مضامین کا مجموعہ ہے۔ اس سلسلے کا آغاز انھوں نے اپنے بزرگ قاضی محمد حمید فضلی کے ارشاد کی تعمیل میں ماہنامہ "فیض" میں کیا تھا۔ اب انھیں کتابی صورت میں مرتب کیا گیا ہے —— یہ مضامین قرآن پاک کی آیت: یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا ○ کی طویل تشریح کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مصنف کے نزدیک توبہ: غفلت کو ترک کرنے، گناہوں سے بیزاری، عذابِ الٰہی کے حقیقی خوف اور اپنے ضعف کے اعتراف کے مترادف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ توبہ کا تعلق ہر تین زمانوں سے ہوتا ہے: ماضی پر ندامت، حال میں گناہوں سے کنارا کشی، اور مستقبل میں گناہوں سے بچنے کا عزم صمیم —— "توبہ" کے ضمن میں مصنف نے ہر مضمون میں کوئی نہ کوئی تاریخی واقعہ شامل کر کے اسے دلچسپ بنا دیا ہے —— کتاب کا مطالعہ بہرصورت فائدے سے خالی نہیں۔ (لعل دین سلیم)

گھر کی تلاش : از سجاول خان رانجھا۔ ناشر: بک پروموٹرز، مرکز ایف سیون، اسلام آباد۔ صفحات ۲۳۰۔ قیمت درج نہیں۔

لینے کو تو یہ سجاول خان رانجھا کے علم اور رزق کی تلاش میں جرمنی پہنچنے اور وہاں آٹھ برس گزارنے کا سفرنامہ اور رپورتاژ ہے، لیکن دراصل یہ یورپی معاشرے کا ایک ایسا مطالعہ ہے جس سے نہ صرف مغرب کے نظام حیات کو سمجھنے سمجھانے کے نئے معیار سامنے آتے ہیں بلکہ اہل مشرق کے لیے بھی لمحہ فکریہ فراہم کرتے ہیں۔

سجاول خان رانجھا کے ساتھ ۲۳۰ صفحے کا یہ سفر و قیام، افغانستان، ترکی اور بالاخر جرمنی لے جاتا ہے۔ طرز تحریر کی شگفتگی اور تازگی نے سفر کا لطف دو بالا کر دیا ہے۔ مسافر نے جو زندگی گزاری اور جو کچھ دیکھا، بے ساختہ بیان کر دیا ہے۔ جانے والوں کے لیے جو محنت و مشقت اور سلوک وہاں منتظر ہے، اسے بیان کرنے میں تکلف سے کام نہیں لیا اور ساتھ ہی ایک مسلمان پاکستانی نوجوان کی حیثیت سے اپنی سرگرمیوں کی جھلک بھی خوب دکھائی ہے۔ "گھر کی تلاش" آپ ہاتھ میں لیں گے تو ختم کر کے ہی اٹھیں گے۔ (م - س)

ہمارا نظام تعلیم: از پروفیسر سعید اختر۔ ناشر: ادارہ تعلیمی تحقیق، تنظیم منزل مزنگ لاہور۔ صفحات ۱۳۶۔ قیمت ۲۵ روپے۔

"ہمارا نظام تعلیم" سے مراد مسلمانوں کا نظام تعلیم ہے۔ کتاب کے پہلے حصے میں دور نبویؐ سے خلافت عثمانی تک اور دوسرے جزو میں برعظیم پاکستان و ہند میں غزنوی دور سے انگریزی نظام تعلیم تک کا جائزہ لیا گیا ہے۔ "تنظیم جدید" کے عنوان سے اہم اصلاحی تدابیر کا بیان ہے۔ مخلوط تعلیم کے فساد کو صحیح اہمیت دی گئی ہے (رواجی مشاعروں کو بند کرنے کی تجویز شاید شعرا اور حاضرین دونوں کو پسند نہ آئے)۔ پروفیسر عبد الحمید صدیقی نے بالکل بجا کہا ہے کہ مصنف نے "دریا کو کوزے میں بند کر دیا ہے"۔ نیز یہ کہ: "مروجہ نظام تعلیم کی اصلاح کے لیے جو تجاویز انھوں نے پیش کی ہیں' وہ اس کتاب کی جان ہیں"۔ مصنف کے ذہن میں مقاصد تعلیم اور نظام تعلیم کا ایک واضح تصور موجود ہے۔

ادارہ تعلیمی تحقیق کی جانب سے اس مربوط اور منظم کتاب کی اشاعت نہایت خوش گوار ہے۔ تاریخ تعلیم کا کوئی طالب علم اس سے بے نیاز نہیں رہ سکتا۔ (م - س)

آپا حمیدہ بیگم: مرتبہ پروفیسر فروغ احمد۔ ناشر: الحرا پبلی کیشنز' اردو بازار لاہور۔ صفحات ۳۱۱۔ قیمت ۵۵ روپے۔

آپا حمیدہ بیگم جماعت اسلامی کی پہلی خاتون رکن تھیں۔ ان کی پوری زندگی دین کی خدمت اور جہاد فی سبیل اللہ میں گزری۔ بیگم مودودی کے بقول وہ ایک فرشتہ سیرت راہنما اور بہترین استاد تھیں۔ ان کی حالات اور دینی خدمات پر مختلف مضامین کا یہ مجموعہ کئی برس پہلے شائع ہوا تھا' اب اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا ہے۔

تربیتی نقطہ نظر سے یہ ایک مفید و معاون کتاب ہے۔ دعوت اسلامی کے کام میں مصروف طالبات اور خواتین کو اس کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیے۔ (ر - ہ)

مدیر کے نام

ارشد اقبال، کوئٹہ

"وقت کی قدر کیجیے" (جولائی ۹۴) میں صرف دفتری کارکن کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے۔ خانہ دار خاتون، طالب علم، زرعی کارکن اور عام ان پڑھ آدمی --- سب کے لیے رہنمائی کی ضرورت ہے۔ سب سے زیادہ قیمتی چیز نہایت بے دردی سے ہر طرف لٹائی جاتی نظر آتی ہے۔

کاشف سعید، کراچی

مسلمان قوم اپنے رہنماؤں میں سادگی و سخت کوشی کا وہی نمونہ دیکھنا چاہتی ہے جس کا تذکرہ رسولؐ اور اصحابِ رسولؓ کی سیرت میں ہوتا ہے۔ خود اپنے عمل خواہ کچھ ہی ہوں۔ (راہِ عزیمت، جولائی ۹۴)

ریحان احمد، ساہیوال

جدید سہولتوں کے استعمال کو عزیمت کے منافی سمجھا جاتا ہے۔ اس کی کوئی دینی بنیاد نہیں۔ بعض ذہنوں کا نفسیاتی مسئلہ ہے۔

شائستہ مستور، کراچی

عزیمت کا یہ تصور بھی خوب ہے کہ کافی کی پیالی سے ہاتھ ہٹا لیا جائے۔

سلیم احمد، حیدر آباد

مصر میں کشمکش تیز ہوتی جا رہی ہے۔ حسنی مبارک کے زوال کی خبریں دی جا رہی ہیں۔ اس پس منظر میں مصری طالبات کا مطالعہ (جولائی ۹۴) خوب ہے۔ لیکن کیا ہی خوب ہو کہ تازہ ترین جائزے سامنے آئیں۔

نصر اللہ، کراچی

"آج کا الجیریا" (جون ۹۴) میں فوج کا کردار واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔ مسلم ممالک میں افواج کے کردار پر تحقیقی مطالعوں کی ضرورت ہے۔ یقیناً یہ حکومتیں نہیں کروائیں گی۔ آزاد اداروں اور جامعات کو آگے بڑھنا چاہیے۔

شہزاد الحسن' کراچی

ایسا کیوں ہے کہ کسی ملک کی فوج اپنے ہی شہریوں پر گولیاں چلانے اور ظلم ڈھانے کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے (آج کا الجیریا)۔ کیا بھرتی کے طریقِ کار اور تربیت کے نظام کا اس سے کوئی تعلق ہے۔

عامر شکیل' لاہور

اپریل ۹۴ میں "۶۰ سال پہلے" بہت پسند آیا۔ حمید الدین فراہی صاحب کا مضمون "نماز اور قربانی" موضوع کے اعتبار سے جامع اور مفصل ہے۔

سلطان احمد اصلاحی' علی گڑھ

اشارات پڑھ کر دل کا دکھ کافی کم ہوتا ہے۔ بگاڑ کی وجوہات' اس کی نزاکتیں' اور اہلِ علم کو ان کی ذمہ داریوں کا احساس' سب کچھ اس میں ہوتا ہے۔ دوسرے مضامین بھی بہت اچھے ہیں۔ آپ کی سرتاپا اخلاص فکر انگیز تحریریں میری خصوصی دلچسپی کا باعث تو ہیں ہی' بحمد اللہ میری واقفیت کے پورے حلقے میں انھیں اسی توجہ اور اہتمام سے پڑھا جاتا ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ ۔

سہیل احمد راجہ' کویت

میں گذشتہ کئی ماہ سے ترجمان القرآن باقاعدگی سے پڑھ رہا ہوں۔ تزئینِ نو کے تمام شمارے انتہائی معیاری اور معلومات افزا ہیں۔ پروفیسر خورشید احمد کا کشمیر پر گرانقدر مضمون بہت پسند آیا۔ امید ہے کہ اس رسالہ کے معیار کو برقرار رکھتے ہوئے جدید تقاضوں کے مطابق تحریکِ اسلامی کی خدمت انجام دیتے رہیں گے۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

خالد مسعود' اسلام آباد

ترجمان القرآن کا نیا انداز پسند آیا۔ خیال آتا ہے کہ کبھی چراغِ راہ کا اسلامی قانون نمبر نکلا تھا۔ بے حد مقبول رہا۔ اگر اسی طرح اجتہاد نمبر نکل سکے تو خوب رہے گا۔ پاکستان کی اسلامی فکر میں جو جمود ہے' ہر فکری تحریک بہت جلد ایک فرقہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ اس کی اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ پاکستان میں دینی طبقے کو ان تحریکات' افکار اور تحقیقات سے آگاہ کیا جائے جو عالمِ اسلام میں جاری ہیں۔

احب پارہ
ملتان روڈ لاہور

گلشن احباب
فیز I ملتان روڈ لاہور

گلشن احباب
فیز II لنک فیروز پور روڈ لاہور

منظرِ کوہسار
اسلام آباد

شاداب کالونی
فیروز پور روڈ لاہور

پانچ رہائشی منصوبوں کی شاندار کامیابی کی حامل اور آپ کے کامل اعتماد کی مظہر

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی (پرائیویٹ) لمیٹڈ



اسلام آباد سے متصل مرگلہ ہلز کے
حسین دامن میں ایک نیا دلپذیر شہر

منظرِ کوہسار

ترقیاتی کام جاری ہیں

ہاؤسنگ اینڈ فزیکل پلاننگ حکومت پنجاب اور
ڈسٹرکٹ کونسل راولپنڈی سے منظور شدہ سڑکیں
سیوریج، بجلی پانی، سکول، کمیونٹی سنٹر، قبرستان
مسجد اور ہسپتال، خوبصورت جھیل

۳۱ جولائی تک رعائتی قیمت پر
سولہ ہزار روپے فی مرلہ معہ ترقیاتی اخراجات
باقی رقم تین سال کی قسطوں میں،
تین ہزار روپے فی مرلہ کا ڈرافٹ بھیج کر
بکنگ کرالیں پلاٹ ۲ کنال۔ ۱۰ مرلہ
۵ مرلہ۔ کنال = ۶۰۰ مربع گز
خصوصی رعایت سے فائدہ اٹھائیں۔

گلشن احباب فیز II لنک فیروز پور روڈ میں کمرشل پلاٹوں کی بکنگ جاری ہے

شاداب کالونی فیروز پور روڈ میں کمرشل پلاٹوں کی بکنگ جاری ہے

فیروز پور روڈ پر چونگی امر سدھو سے ۲ کلومیٹر

ایل ڈی اے سے منظور شدہ

شاداب کالونی

کشادہ سڑکیں، خوبصورت پارکیں، مسجد ڈسپنسری،
سکول، مارکیٹیں، ٹیلیفون اور سوئی گیس کی سہولت
موجود۔ سکول کالج اور بڑے ہسپتال قریب تر
ترقیاتی کام جاری ہیں۔ کنال = ۵۰۰ مربع گز

قیمت ۲۰ ہزار روپے فی مرلہ معہ ترقیاتی اخراجات
ایک ہزار روپے فی مرلہ کی رعایت
۳۱ جولائی تک بڑھا دی گئی ہے۔
۳ ہزار روپے فی مرلہ کے حساب سے بکنگ کرالیں
باقی رقم تین سال کی آسان قسطوں میں
پمفلٹ مفت منگوائیں۔

تحریکِ اسلامی سے
وابستہ افراد کا با اعتماد ادارہ

احباب ہاؤسنگ سوسائٹی پرائیویٹ لمیٹڈ

شریف چیمبر 68 مزنگ روڈ لاہور فون 6361501-6366005-304754 فیکس 6369520

REGD. NO. L 5340

PHONE : 7234014
7236665

MONTHLY TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE